اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کے حقوق

عبدالرؤف ظفر*

میمونہ تبسم**

اللہ تعالی نے اجتماعی زندگی گزارنے کے لئے ایسے قوانین نازل فرمائے جن کی حدود میں رہ کر انسانوں کا معاشرہ امن وسلامتی اور محبت واخوت کا گہوارہ بن سکتا ہے۔انسان جب ان قوانین کی خلاف ورزی کرتے ہیں تو اس کے نتیجے میں بدامنی اور فساد کی فضا پیدا ہوتی ہے اس بدامنی اور فساد کو ختم کرنے کے لئے حد اور تعزیر انسانوں کی اصلاح اور خرابیوں کے خاتمے کے لئے مقرر فرمائی ان قوانین کا مقصد انسانوں پر ظلم وزیادتی کرنا نہیں ہے بلکہ اسلام میں حدود اور تعزیرات کا مقصد ظلم وتعدی اور فسادات کا خاتمہ کرنا، معاشرے میں جرائم کے مرتکب افراد کی اصلاح کرنا ہوتا ہے۔اس کی بہت سی مثالیں مسلمان معاشرے میں دیکھی جاسکتی ہیں جبکہ غیر مسلم معاشرہ نے دھوکے پر مبنی انسانی حقوق کے نعرے کے باوجود اس کی بدترین مثالیں قائم کی ہیں۔اسلامی قوانین وضوابط میں اصلاح وفلاح غالب ہے ظلم و جبر نہیں۔اللہ تعالی جبر واکراہ کو پسند نہیں فرماتا۔اسی لیے قران کریم میں ایک اصول ذکر فرمادیا کہ ﴿لاَ إِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ﴾(۱)(دین میں جبر واکراہ نہیں) قوانین الہیہ میں کسی جگہ اگر بظاہر ہمیں شدت وسختی نظر آتی ہے تو وہ صرف دور سے دیکھنے سے سخت دکھائی دیتی ہے۔اگر عقل وفکر اور دور اندیشی سے اس پر غور کیا جائے تو اس بظاہر سختی میں بھی زندگی کی روح نمایاں دکھائی دیتی ہے۔اللہ تعالی نے قرآن کریم میں اسی کی وضاحت میں فرمایا﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الأَلْبَابِ﴾(۲)۔قتل کے بدلے اگر قتل ہے تو یہ ناروا و ظالمانہ سزا نہیں ہے بلکہ اس میں معاشرے کا تحفظ ہے۔قتل وغارت گری کی روک تھام ہے۔اسی طرح جو مرد وعورت اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہتھیار اٹھالیں اس کے مقابلے کے لیے کھڑے ہونا اسے انجام تک پہنچانا اسے قید کر کے اس کی اصلاح کرنا یا اس کی باغیانہ اور مفسدانہ صلاحیت کو ختم کرنا عین امن قائم کرنا ہے۔

آج جبکہ انسانیت اپنی ارتقائی منازل طے کرتے کرتے اوج ثریا تک پہنچنے کی دعویدار ہے۔اور تہذیب نو کے معماران اس بات پر فخر کرتے نہیں تھکتے کہ ہم نے دنیا کو نئی روشنی سے آشنا کیا ہے۔اور خیالات کی گھٹن سے نکال کر روشن خیالی کی راہ پر ڈالنے کا کارنامہ انجام دیا ہے۔تہذیب نو کی چمک سے متاثر ہونے والے جہان نو میں ہونے والے مظالم کی داستانوں سے لرزہ براندام ہونے کی بجائے الٹا مظلوموں کو ہی قصوروار ٹھہرا رہے ہیں۔

یہ تہذیبی تصادم کا دور ہے۔مادی ترقی میں عروج کی وجہ سے مغربی تہذیب اپنے آپ کو غالب تصور کرتے ہوئے

*چیئر مین شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف سرگودھا، سرگودھا، پاکستان

**اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، کالج برائے خواتین یونیورسٹی، لاہور، پاکستان

خاص طور پر مسلم تہذیب کو نشانہ بنا رہی ہے۔

محسن انسانیت ﷺ نے نسلی، قبائلی اور لسانی تعصبات کو یکسر ختم کر کے بنی نوع انسان کو ایک باپ کی اولاد قرار دیا اور تمام قسم کی تفریق کو مٹا دیا حقوق انسانی کا وہ چارٹر دیا جس کی مثال رہتی دنیا تک نہیں مل سکتی۔

چنگیز خان اور ہلاکو خان کے مظالم کو دیکھا جائے یا ہٹلر کی سفا کی کی داستانیں ہوں یہ سب انسانیت کی تذلیل تمام حدیں پار کر گئی۔ دنیا دو عالمگیر جنگوں کا سامنا کر چکی ہے اور اربوں انسان لقمہ اجل بن چکے ہیں۔

سفید فام لوگوں کے نسلی تعصب کے خلاف نیلسن منڈیلا کامیاب تحریک چلا چکے اقوام متحدہ میں دنیا کے نام نہاد انصاف پسند قوانین بھی پاس کر چکے۔ مگر اس دنیا میں تعصب کی فضا نہ چھٹ سکی آج بھی مذہبی اور تہذیبی تعصب غالب نظر آتا ہے۔ اور اس تعصب ہی کی وجہ سے مسلم دنیا زیر عتاب ہے۔ مسلم دنیا کے وسائل پر للچائی ہوئی نظروں سے دیکھنے والوں کی سامراجی طاقتوں میں ساز باز کر کے تقسیم کرو اور حکومت کرو کی پالیسی اپنائے ہوئے بھوکے اژدھے کی طرح آہستہ آہستہ ہڑپ کرنے کی تگ و دو جاری ہے۔ مظلوموں کو بنیاد پرست، دہشت گرد اور انتہا پسند کا نام دے کر آتش و آہن کی بارش برساتے ہوئے ظلم و جبر کی داستانیں رقم کر رہے ہیں۔ ظلمت کے اس دور میں غیر مسلموں کے بارے میں اسوہ رسول ﷺ سے رہنمائی لیتے ہوئے اس مضمون میں اسلامی ریاست میں اقلیتوں کے حقوق بیان کئے گئے ہیں۔ خلفاء راشدین اور خود آنحضور ﷺ کے دور میں اقلیتوں کے کیا حقوق تھے اور ان کو اسلامی ریاست نے کس طرح تحفظ فراہم کیا۔ اس کا ذکر ہے۔

حقوق کی اقسام:

حقوق دو طرح کے ہوتے ہیں حقوق اللہ جن میں اللہ تعالی کے بندوں کے ذمہ حقوق ہیں مثلا ایمان باللہ، توحید کا اقرار، شرک کا انکار اور اسکی عبادات شامل ہیں جس طرح کہ خود رسول اللہ ﷺ نے وضاحت فرمائی۔ اللہ تعالی نے بندوں کو حقوق و فرائض کی تعلیم دی ہے ایک وقت میں کچھ اعمال کسی ایک انسان کے حقوق اور دوسروں کے فرائض ہوتے ہیں اور ایک کے فرائض دوسروں کے حقوق کہلاتے ہیں۔

"عن معاذ بن جبلؓ قال بينما: أنا رديف النبي ﷺ ليس بيني و بينه إلّا مؤخرة الرحل، فقال: يا معاذؓ، قلت: لبيک يارسول الله ﷺ وسعديک، ثم سار ساعة ثم قال: يا معاذ، قلت: لبيک يارسول الله ﷺ وسعديک، ثم سار ساعة ثمّ قال: يا معاذ قلت لبيک يارسول الله ﷺ وسعديک، قال: هل تدری ما حق الله على عباده؟ قلت: الله و رسوله أعلم، قال: حق الله على عباده أن يعبدوه ولا يشركوا به شيأ، ثم سار ساعة ثم قال: يامعاذ بن جبل، قلت: لبيک يا رسول الله ﷺ وسعديک، قال: هل تدری ما حق العباد على الله، اذا فعلوه؟ قلت: الله ورسوله أعلم، قال: حق

العباد على الله أن لا يعذ بهم"(۳)

''حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پیچھے سواری پر سوار تھا کہ آپ ﷺ نے آواز دی یا معاذؓ میں نے جواب دیا لبیک وسعدیک یا رسول اللہ ﷺ پھر کچھ چلے پھر آپ ﷺ نے فرمایا اے معاذ میں نے عرض کیا لبیک یا رسول اللہ وسعدیک پھر کچھ دیر چلنے کے بعد آپ نے فرمایا یا معاذ میں نے کہا لبیک یا رسول اللہ وسعدیک آپ نے فرمایا کیا تو جانتا ہے کہ اللہ کا حق بندوں پر کیا ہے۔؟ میں نے کہا اللہ اور اس کا رسول ﷺ زیادہ جانتے ہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کا بندوں پر حق ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ پھر کچھ دیر چلنے کے بعد فرمایا اے معاذ میں نے کہا لبیک یا رسول اللہ ﷺ وسعدیک آپ ﷺ نے فرمایا کیا تو جانتا ہے کہ بندوں کا اللہ پر کیا حق ہے؟ جب وہ اس حکم کی تعمیل کریں میں نے کہا اللہ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا اللہ پر بندوں کا یہ حق ہے کہ وہ انہیں عذاب نہ دے۔''

دوسرے حقوق العباد ہیں جن میں بندوں پر بندوں کے حقوق کا تذکرہ ہوتا ہے مثلاً والدین کے حقوق اولاد پر اور اولاد کے والدین پر، ہمسائیوں کے حقوق، اساتذہ کے حقوق، قیدیوں کے حقوق وغیرہ، اسلام نے ان حقوق کی ادائیگی پر بڑا زور دیا ہے اور عدم ادائیگی پر سخت وعید سنائی ہے۔اسلام میں حقوق کی اہمیت کا اندازہ اس حدیث مبارکہ سے ہوتا ہے۔

''عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله ﷺ قال: أتدرون ما المفلس؟ قالوا: ألمفلس فينا من لا درهم له ولا متاع فقال: إن المفلس من أمتي من يأتي يوم القيامة بصلاة وصيام وزكاة ويأتى قد شتم هذا وقذف هذا وأكل مال هذا وسفک دم هذاو ضرب هذا فيعطى هذا من حسناته وهذا من حسناته فإن فنيت حسناته قبل أن يقضى ما عليه أخذ من خطايا هم فطرحت عليه ثم طرح في النار.''(۴)

''حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو مفلس کون ہے؟ تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے جواب دیا ہم میں سے مفلس وہ آدمی ہے جس کے پاس درھم اور مال ومتاع نہ ہو آپ ﷺ نے فرمایا میری امت کا مفلس وہ ہوگا جو نمازوں، روزے اور زکوٰۃ کے ساتھ آئے گا مگر اس نے کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر تہمت لگائی اور کسی کا مال کھایا، کسی کا خون بہایا اور کسی کو مارا پیٹا ہوگا۔ پھر ظالم کی نیکیاں مظلوم کو دی جائیں گی اگر ظالم کے پاس نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو مظلوم کے گناہ ظالم کے کھاتے میں ڈال دیئے جائیں گے پھر اسے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔''

ایک اور حدیث میں ہے:

''عن أبي هريرةؓ أن رسول الله ﷺ قال: لتؤدن الحقوق إلى أهلها يوم القيامة.''(۵)

''حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن تم حق داروں کا حق ضرور ادا کرو گے۔''

''عن أبي ذرؓ قال: قال رسول الله ﷺ فيمايروي عن ربه عزو جل فاني حرمت على نفسي الظلم وعلى عبادي فلا تظالموا.''(٦)

''حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالی فرماتا ہے کہ میں نے اپنے اوپر اور اپنے بندوں پر ظلم کو حرام کردیا ہے تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔''

ان احادیث مبارکہ میں حقوق کی اہمیت اور انکی ادائیگی کی تلقین واضح ہوتی ہے۔

قبل از بعثت اقلیتوں کا مقام:

دور جاہلیت میں جنگ، لوٹ مار، قتل و غارت گری، ظلم و زیادتی، انتقام و تشدد، کمزوروں کو کچلنے، آبادیاں ویران کرنے اور عمارتیں ڈھانے، عورتوں کی بے حرمتی کرنے، بوڑھوں، بچوں اور بچیوں کے ساتھ سنگدلی سے پیش آنے، کھیتی باڑی تباہ و برباد کرنے، جانوروں کو ہلاک کرنے اور زمین میں تباہی و فساد مچانے کا نام تھی۔

عرب میں آئے دن کی لڑائیوں کی شدت اور وسعت سے مختلف قبائل میں شدید نفرت پائی جاتی تھی۔اس لیے اسیران جنگ کو جب قتل کرتے تھے تو چھوٹے چھوٹے بچوں اور عورتوں کو بھی قتل کر دیتے تھے بلکہ ان کو آگ میں جلا دیتے تھے۔عمرو بن ہند عرب کا ایک بادشاہ تھا اس کے بھائی کو جب بنو تمیم نے قتل کر دیا تو اس نے منت مانی کہ ایک کے بدلے سو آدمیوں کو قتل کروں گا۔چنانچہ بنو تمیم پر حملہ کیا تو وہ لوگ بھاگ گئے صرف ایک بڑھیا رہ گئی۔جس کا نام حمراء تھا اس کو گرفتار کر کے زندہ آگ میں ڈال دیا۔اتفاق سے ایک سوار جس کا نام عمار تھا آنکلا عمرو نے پوچھا کہ تو کیوں آیا ہے؟ اس نے کہا میں کچھ دنوں کا بھوکا تھا دھواں اٹھتے دیکھا تو سمجھا کھانا ہوگا عمرو نے حکم دیا کہ اسے بھی آگ میں ڈال دیا جائے۔(۷)

واحس اور غبرا کی لڑائی میں قیس نے بنو ذبیان کے پاس اپنے بچے ضمانت کے طور پر رکھے۔حذیفہ جو بنو ذبیان کا رئیس تھا ان بچوں کو وادی میں لے جاکر کھڑا کر دیتا اور ان کو نشانہ بنا کر تیر اندازی کرتا۔اتفاق سے کوئی لڑکا نہ مرتا تو دوسرے دن پر اٹھا رکھا جاتا۔چنانچہ دوسرے دن یہ تفریح انگیز چاند ماری پھر شروع ہوتی اور لوگ یہ تماشا دیکھتے۔(۸)

رسول اللہ ﷺ نے ظالمانہ سزاؤں کے بارے ارشاد فرمایا!

''عن خباب قال: أتينا رسول الله ﷺ و هو متوسد بردة في ظل الكعبة فشكونا إليه فقلنا: ألا تستنصرلنا؟ ألا تدعوا الله لنا؟ فجلس محمرا وجهه، فقال: قد كان من قبلكم يؤخذ الرجل فيحفرله في الارض ثم يؤتى بالمنشار فيجعل على رأسه فيجعل فرقتين مايصرفه ذالک عن دينه و يمشط بإمشاط الحديد مادون عظمه من لحم و عصب.''(٩)

''حضرت خبابؓ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے آپ کعبہ کے سایہ میں چادر کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ ہم نے عرض کیا آپ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ سے مدد کیوں نہیں طلب کرتے اور ہمارے لیے دعا کیوں نہیں فرماتے؟ آپ ﷺ یہ بات سن کر سرخ چہرے کے ساتھ اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ تم سے پہلے لوگوں کے لیے زمین میں گڑھے کھودے جاتے پھر آری سے ان کے سر کے دو ٹکڑے کئے جاتے یہ تکلیف انہیں اپنے دین سے نہ پھیرتی اور لوہے کی کنگھیوں کے ساتھ ان کی ہڈیوں سے گوشت بھی نوچا جاتا تھا۔''

قتل کا ایک طریقہ یہ تھا کہ ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضاء کاٹ کر چھوڑ دیتے تھے کہ وہ تڑپ تڑپ کر مر جاتا تھا۔ غطفان اور عامر کی لڑائی میں اس خوف سے حکم بن الطفیل نے اپنے آپ کو خود گلا گھونٹ کر مار ڈالا تھا۔ مرنے والوں کے ہاتھ پاؤں کان ناک وغیرہ کاٹ لیے جاتے تھے جیسا کہ ہندہ نے جنگ احد میں اسی قسم کی رسم کے موافق حضرت حمزہؓ اور دیگر شہداء کے اعضاء کاٹ کر ہار بنایا اور گلے میں پہنا تھا۔

'' وقعت هند بنت عتبة.....والنسوة اللاتی معها بمثلهن با لقتلی من اصحاب رسول الله ﷺ يجد عن اللآذان والآنف حتی اتخذت هند من آذان الرجال وانفهم خدما وقلائد.....وبقرت عن كبد حمزة فلا كتها فلم تستطع ان تسغيها فلفظها''(۱۰)

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو مشرکین مکہ نے قید کر کے سولی پر لٹکایا اور ان کے جسم پر تیر اندازی کی (۱۱)

ریاست مدنی میں غیر مسلموں سے برتاؤ:

عہد نبوی اور خلافت راشدہ کے دور میں کسی بھی شخص کو جبری طور پر مسلمان نہیں کیا گیا۔ قرآن مجید میں غیر مسلموں سے برتاؤ کے بارے میں ایک عجیب وغریب قانون ملتا ہے کہ ہر مذہب کو کامل داخلی خود مختاری دی جائے اور وہ نہ صرف عبادات اپنی طرز پر کر سکیں بلکہ اپنے ہی قانون اپنے ہی ججوں کے ذریعے سے اپنے مقدمات کا فیصلہ کروائیں قرآن مجید میں ہے کہ ﴿وَلْيَحْكُمْ أَهْلُ الإِنجِيلِ بِمَا أَنزَلَ اللّهُ فِيهِ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللّهُ فَأُوْلَـئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾ (۱۲)۔

انجیل والوں کو چاہیے کہ اس چیز کے مطابق عمل کریں جو اللہ نے انجیل میں نازل کی ہے اور قرآن مجید کے ان احکامات کی وجہ سے عہد نبوی ﷺ میں ساری آبادی کو قومی خود مختاری مل گئی تھی، جس طرح مسلمان اپنے دینی عبادات، قانونی معاملات اور دیگر امور میں مکمل طور پر آزاد تھے اسی طرح دوسری ملت کے لوگوں کو بھی آزادی دے رکھی تھی۔

عہد نبوی ﷺ میں مسلمانوں پر جنگ فرض کی جاتی ہے جبکہ دوسری طرف غیر مسلموں کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اگر مسلمان دین کی خاطر جنگ کریں تو غیر مسلموں کو اسلام کی خاطر جنگ کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا، چونکہ مسلمان جنگ کر کے اور قربانی دے کر اسلامی ریاست اور اس کی حدود کی حفاظت کرتا ہے جبکہ وہاں رہنے والی غیر مسلم رعایا امن وامان سے متمتع ہوتی ہے۔ لہٰذا فوجی ضروریات کے تحت ان پر ٹیکس عائد کیا جاتا ہے جو کہ جزیہ کہلاتا ہے اور یہ

جزیہ اسلام کی ایجاد نہیں بلکہ اسلام سے پہلے روم وفارس میں بھی لیا جاتا تھا اور یہ جزیہ ان لوگوں سے لیا جاتا تھا کہ جو فوجی خدمات سرانجام نہ دے سکتے ہوں اور اسی چیز کو اسلام نے بھی قبول کیا۔ غیر مسلم رعایا بہت ہی خفیف ٹیکس دے کر جو سال میں دس دن کی غذا کے مترادف تھا اسلامی سلطنت کی پوری حفاظتی قوتوں اور پولیس وغیرہ کی خدمات سے مستفید ہوتی ہے۔

عہد نبوی ﷺ میں کبھی محض دین کی بنا پر غیر مسلموں کے ساتھ کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا جاتا تھا اس کی مثال یہ ہے کہ ۲ھ میں جب مسلمانوں کو غزوۂ بدر میں فتح ہوئی تو مکہ والوں نے ایک وفد دوبارہ حبشہ بھیجا اور چاہا کہ وہاں کے جو مسلمان مہاجرین متمکن ہیں ان کو نئے نجاشی سے کس طرح واپس حاصل کرلیں اور ان کو تکالیف دیں اس کی اطلاع جب آنحضورﷺ کو ملی تو تاریخ کے اوراق یہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے عمر بن امیہ کو اپنا سفیر بنا کر نجاشی کے پاس بھیجا تاکہ وہ مسلمانوں کی سفارش کرے اور ان کی حفاظت کے لیے حکمرانوں کو آمادہ کرے۔ حالانکہ عمر بن امیہ ضمری اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے (۱۳) اور اسی طرح آپﷺ کے قرب وجوار میں یہودی بھی آباد تھے اور ان کے ساتھ آپ کا رویہ بہت اچھا اور بے مثال تھا۔

قیدیوں سے حسن سلوک:

اسلام نے فاران کی پہاڑیوں سے لیکر چین تک فتوحات حاصل کیں ان مختلف ممالک کی فتوحات کے دوران جو قیدی مسلمانوں کے قبضے میں آئے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا ذیل میں ہم کچھ مثالیں پیش کریں گے۔

جنگی قیدیوں کے متعلق امام الانبیاءﷺ کا طریقہ کار دو طرح سے ملتا ہے۔

الف۔ فدیہ لے کر آزاد کردینا

ب۔ بغیر کسی فدیہ کے آزاد کرنا

سب سے پہلے غزوہ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھ قیدی آئے جو اہل مکہ تھے یہ وہ لوگ تھے جن کی دشمنی عیاں تھی۔ بدترین دشمنوں میں سے چند لوگ جب قیدی بن کر آئے تو ان کے خلاف نفرت کی بجائے جو حسن سلوک دیکھنے کو ملتا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔

آنحضورﷺ نے یہ معاملہ صحابہ کے سامنے مشورے کے لئے پیش کیا۔ صحابہؓ میں دو آراء سامنے آئیں۔ ایک طرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسے عالی مرتبت صحابی تھے جن کی رائے فدیہ لے کر چھوڑ دینے کی تھی دوسری طرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی کی رائے قیدیوں کو قتل کرنے کی تھی۔ مشورے کے بعد محسن انسانیت ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مشورے کو پسند فرمایا اور فدیہ لے کر قیدیوں کو رہا کردیا۔ (۱۴)

جن قیدیوں کے پاس زر فدیہ نہیں تھا ان میں سے پڑھے لکھے قیدیوں کا فدیہ دس مسلمان بچوں کو تعلیم دینا قرار پایا۔ (۱۵)

وہ لوگ جتنے دن قید میں رہے اس دوران ان کے ساتھ جو سلوک کیا گیا۔ وہ قیدی کی بجائے مہمان جیسا سلوک تھا۔ رہا ہونے والوں نے بیان کیا کہ اہل مدینہ اپنے بچوں سے زیادہ انکی آسائش کا اہتمام کرتے تھے (۱۶)۔
علامہ شبلی نعمانیؒ نے اس کی تفصیل یوں بیان کی ہے۔

اسیران جنگ بدر دو دو چار چار صحابہ کرام کو تقسیم کر دیئے گئے اور صحابہ کو حکم ہوا کہ انہیں آرام کے ساتھ رکھا جائے۔ صحابہ رضی اللہ عنھم ان کو کھانا کھلاتے اور خود کھجور کھا کر گزارہ کرتے ان قیدیوں میں ابوعزیز بھی تھے جو حضرت مصعب بن عمیر کے بھائی تھے ان کا بیان ہے کہ مجھے انصاریوں نے اپنے گھر میں قید کر رکھا تھا جب صبح وشام کا کھانا لاتے تو روٹی میرے سامنے رکھ دیتے اور خود کھجوریں اٹھا لیتے مجھے شرم آتی اور میں روٹی ان کے ہاتھ میں دے دیتا لیکن وہ ہاتھ نہ لگاتے اور مجھے واپس کر دیتے۔ اور یہ کام اس وجہ سے کیا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے تاکید کی تھی کہ قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔ (۱۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس دن بدری قیدی گرفتار ہو کر آئے رسول اللہ ﷺ کو اس رات نیند نہیں آئی آپ ﷺ سے صحابہ نے پوچھا کیا وجہ ہے آپ ﷺ نے فرمایا میرے چچا کی آہ وبکا کی آواز میرے کانوں میں آ رہی ہے وہ باندھے ہوئے تھے۔ صحابہ نے سب قیدیوں کو کھول دیا تب آپ ﷺ کو نیند آئی۔ (۱۸)

"عن جابر بن عبداللهؓ قال لما كان يوم بدر أتي باسارى و أتي بالعباس ولم يكن عليه ثوب فنظر النبى ﷺ له قميصا فوجد وا قميص عبدالله بن أبيّ يقدر عليه فكساه النبي ﷺ إياه." (۱۹)

"حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب بدر کے دن کافروں کے قیدی حاضر کیے گئے حضرت عباس رضی اللہ بھی لائے گئے وہ ننگے بدن تھے حضور ﷺ نے ان کے بدن کے موافق کوئی کرتہ تلاش کیا دیکھا تو عبداللہ بن ابی کا کرتہ ان کے بدن پر ٹھیک تھا آپ نے وہی کرتہ ان کو پہنا دیا۔"

قیدیوں میں ایک شخص سہیل بن عمرو بھی تھا جو رسول اللہ ﷺ کے بارے میں اشتعال انگیز تقریریں کیا کرتا تھا حضرت عمرؓ نے تجویز پیش کی یا رسول اللہ ﷺ اس کے اگلے دو دانت تڑوا دیجئے تا کہ آئندہ یہ آپ کے خلاف گستاخانہ زبان استعمال نہ کر سکے سزا دینے کا معقول جواز تھا۔ اور کوئی رکاوٹ بھی نہ تھی لیکن رحمت عالم ﷺ نے حضرت عمرؓ کی تجویز مسترد فرما کر قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کی ایسی مثال پیش فرما دی جو رہتی دنیا اپنی مثال آپ رہے گی۔ (۲۰)

غزوہ بنو المصطلق میں سو سے زیادہ مرد وزن قیدی ہوئے مگر بلا کسی معاوضہ کے آزاد کر دیئے گئے اور ان میں سے ایک عورت حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا تھیں جنہیں آپ ﷺ نے ام المومنین کا درجہ دیا۔ (۲۱)

جنگ حنین میں چھ ہزار مرد وزن اسیر ہوئے جنہیں بغیر کسی شرط و جرمانہ کے آزاد فرمایا گیا بلکہ اکثر اسیروں کو خلعت وانعام دے کر رخصت فرمایا۔ دشمن قیدیوں کے بدلے اپنے قیدیوں کو چھڑانے کا ذکر بھی ملتا ہے۔

''عن أياس بن سلمةؓ بن الأكوع عن أبيه قال: غزونا مع أبي بكرؓ هوازن على عهد رسول الله ﷺ فنفلني جارية من بني فزارة من اجمل العرب. عليها قشع لها فماكشفت لها عن ثوب حتى أتيت المدينة فلقيني النبي ﷺ في السوق، فقال: لله أبوك هبها لي، فو هبتها له،فبعث بها ففادى بها أسارى من أسارى المسلمين، كانوا بمكة''(۲۲)

''حضرت ایاس بن سلمہ بن اکوعؓ سے روایت ہے کہ ہم نے حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ ہوازن کے خلاف جہاد کیا حضرت ابوبکرؓ نے مجھے انعام کے طور پر بنی فرازہ کی ایک لڑکی دی جو عرب میں سب سے خوبصورت تھی وہ ایک پوستین پہنے ہوئے تھی میں نے اس کا کپڑا ابھی نہ کھولا تھی کہ میں مدینہ آیا۔ رسول اللہ ﷺ مجھے بازار میں ملے اور فرمایا تیرا باپ بزرگ تھا، اس عورت کو مجھے ہبہ کردے میں نے آپ ﷺ کو ہبہ کردی۔ آپ ﷺ نے اس عورت کے بدلے کئی مسلمان قیدیوں کو چھڑایا جو کہ مکہ میں قید تھے۔''

نبی کریم ﷺ کی مبارک تعلیم کا اثر تھا کہ خلفاء راشدین کے عہد میں عراق وشام،مصر، ایران وخراسان کے سینکڑوں شہر فتح ہوئے مگر کسی جنگ میں بھی حملہ آور جنگ آزماؤں یا رعایا میں سے کسی کو لونڈی غلام بنانے کا ذکر نہیں ملتا۔

''عن علیؓ انه فرق بين جارية و ولدها فنهاه النبى ﷺ عن ذلک'' (۲۳) (حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک قیدی عورت اور اس کے چھوٹے بچے کو الگ الگ کر دیا آپ ﷺ نے اس سے منع کر دیا)۔

''عن أبی هريرةؓ قال بعث النبى ﷺ خيلا قبل نجد فجاء ت برجل من بنى حنيفة يقال له ثمامة بن اثال فربطوه بسارية من سوارى المسجد فخرج اليه النبى ﷺ فقال اطلقوا ثمامة، فانطلق الى نخل قريب من المسجد فاغتسل ثم دخل المسجد فقال أشهد ان لا اله الا الله وأن محمدا لرسول الله ﷺ''(۲۴)

''حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چند سواروں کو نجد کی طرف بھیجا وہ بنی حنیفہ سے ایک شخص کو لے کر آئے جسے ثمامہ بن اثال کہتے تھے، اسے مسجد کے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا پھر رسول اللہ ﷺ اس کے پاس آئے۔ فرمایا ثمامہ کو چھوڑ دو اسے چھوڑ دیا گیا۔ وہ مسجد کے قریب باغ میں گئے غسل کیا مسجد میں داخل ہوئے اور کہا (أشهدان لا إله إلاالله وأن محمدا لرسول الله)۔''

'' عن انس بن مالک ان ثمانين رجلا من أهل مكة هبطوا على النبى ﷺ وأصحابه من جبل التنعيم عند صلاة الفجر ليقتلو هم فأخذهم رسول الله ﷺ سلما فأعتقهم رسول الله ﷺ''(۲۵)

''حضرت انس رضی اللہ سے روایت ہے کہ جبل تنعیم کے مقام پر نماز فجر کے وقت اہل مکہ کے اسی آدمی رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کے قتل کے لیے حملہ آور ہوئے، آپ ﷺ نے انہیں صحیح سلامت گرفتار کرلیا اس کے بعد انہیں رہا کر دیا۔''

''عن أبی جحيفةؓ قال قلت لعلیؓ هل عند كم شئ من الوحى الامافى كتاب الله؟ قال لا والذى

فلق الحبة و برأالنسمة ما أعلمه الا فهما يعطيه الله رجلا فى القرآن وما فى هذا الصحيفة قلت وما فى الصحيفة؟ قال العقل وفكاك الأسير"(۲٦)

''حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا تمہارے پاس قرآن کے سوااور بھی کچھ وحی کی باتیں ہیں انہوں نے کہاقسم اس کی جس نے دانہ چیر کرا گایااور جان کو بنایا مجھے تو کوئی ایسی وحی معلوم نہیں۔البتہ فہم ہے جواللہ تعالیٰ کسی بندے کوقرآن میں عطا فرمائے یا جواس صحیفہ میں ہے میں نے پوچھا اس صحیفہ میں کیا ہے انہوں نے کہا دیت کے احکام اور قیدی کا چھڑانا۔''

''عن سالم عن أبيه قال: بعث النبى ﷺ خالد بن الوليد اِلى بنى جذيمة فدعاهم الى الاسلام فلم يحسنو ا أن يقولوا أسلمنا فجعلو ا يقولون صباناصبانا فجعل خالد يقتل منهم و ياسر ودفع الى كل رجل منا أسيره حتى اذا كان يوم أمر خالد ان يقتل كل رجل منا أسيره فقلت والله لا أقتل أسيرى ولا يقتل رجل من أصحابى أسيره حتى قدمنا على النبى ﷺ فذكرناه له فرفع النبى ﷺ يديه فقال أللهم إنى أبراء إليك مما صنع خالد مرتين"(۲۷)

''حضرت سالم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنے والدحضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے خالد بن ولید کو بنی جذیمہ کی طرف بھیجا انہوں نے ان کواسلام کی دعوت دی وہ اچھی طرح نہ کہہ سکے کہ ہم اسلام لائے کہنے لگے ہم نے اپنا دین بدل ڈالاحضرت خالدؓ کچھ کوقتل کرنے اور کچھ کوقید کرنے لگے ہر ایک مسلمان کا قیدی اس کے سپرد کیاایک دن حضرت خالد نے یہ حکم دیا کہ ہرمسلمان اپنے قیدی کو مار ڈالے میں نے کہاخدا کی قسم میں تو اپنے قیدی کونہیں ماروں گا نہ میرے ساتھیوں میں سے کوئی اپنا قیدی مارے گاحتی کہ ہم بھی رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے تو آپ ﷺ سے یہ قصہ بیان کیا آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور دو دفعہ کہا یا اللہ میں خالد کے کام سے بری ہوں۔''

''عن عماربن شعيث بن عبيدالله بن الزبيب العنبرى: حدثنى أبي قال سمعت جدى الزبيب يقول بعث رسول الله ﷺ جيشا اِلى بنى العنبر فأخذو هم بركبة من ناحية الطائف فاستا قوهم إلى النبى ﷺ فركبت فسبقتهم إلى النبى ﷺ فقلت ألسلام عليك يا نبى الله ورحمةالله و بركاة أتانا جندك فأخذونا و قد كنا أسلمنا خضر منا آذان النعم فلما قدم بنى العنبر قال لي نبي الله ﷺ هل لكم بينةعلى أنكم أسلمتم قبل أن تؤخذوا فى هذا الأيام قلت نعم....... ثم نظر إلينانبي ﷺ قائمين فقال ما تريد باسيرك؟ فأرسلته من يدى فقام نبي الله ﷺ فقال للرجل رد على هذا زربية امه التى أخذت منها قال يا نبي الله إنها خرجت من يدى قال فختلع نبي الله ﷺ سيف الرجل فأعطانيه فقال للرجل إذهب فزده آصعامن طعام قال فزادنى آصعا من شعير"(۲۸)

''رسول اللہ نے ایک لشکر بنی عنبر کی طرف بھیجا صحابہ کرام نے طائف کے علاقے برکتہ سے بنی عنبر کوگرفتار کرلیااور نبی ﷺ کے پاس لے آئے حضرت زبیب کہتے ہیں میں سب سے پہلے سوار ہوکر رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچا سلام کیااور میں

نے کہا کہ آپ کا لشکر ہمارے پاس آیا اور انہوں نے ہمیں گرفتار کرلیا ہے۔ حالانکہ ہم مسلمان ہو چکے ہیں۔ ہم نے جانوروں کے کان کاٹ دیئے ہیں۔ جب بنی عنبر آپ کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا کہ گرفتاری سے پہلے آپ کے پاس مسلمان ہونے کی کوئی دلیل یا گواہی ہے؟ میں نے کہا ہاں ۔۔۔۔۔ پھر آپ نے ہم دونوں کو کھڑا دیکھ کر فرمایا تو اپنے قیدی کے بارے میں کیا چاہتا ہے؟ میں نے کہا اسے چھوڑ دیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور فرمایا اس کی ماں کی تو شک دے دو جو تو نے لے لی ہے۔ وہ بولا اللہ کے نبی ﷺ وہ تو میرے پاس سے جاتی رہی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی تلوار مجھ کو دے دی اور اس شخص سے کہا جاؤ اور کئی صاع اناج کے اسے دے دو اس شخص نے مجھے چند صاع جو دے دیے۔"

"عن أبي موسیٰ قال :قال النبي ﷺ : فکوا العاني أی الأسیر ۔"(۲۹) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیدی کو چھڑاؤ۔

ان واقعات سے رسول اللہ ﷺ کا قیدیوں سے حسن سلوک دنیا میں ایک مثالی ثابت ہوتا ہے۔

اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کے حقوق:

اسلامی ریاست و اسلامی معاشرہ میں غیر مسلموں کے جن حقوق کا تحفظ کرتے ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:

جان کی حفاظت:

اسلامی ریاست ایک غیر مسلم شہری کو اسی طرح جان کا تحفظ فراہم کرتی ہے جس طرح مسلمان شہری کو جان کا تحفظ حاصل ہوگا۔ اسلامی ریاست میں غیر مسلم کا خون مسلمان کے خون کے برابر ہے۔ اگر کوئی غیر مسلم قتل ہو تو اس کے قصاص میں بلا تمیز مذہب قاتل کو قانون کے مطابق قتل کیا جائے۔

حضور ﷺ کے زمانہ میں ایک ذمّی کو قتل کیا گیا تو آپ نے قاتل کو قانون کے مطابق قتل کا حکم صادر کرتے ہوئے فرمایا:

انا احق من وفیٰ بذمته(۳۰)۔(اپنے ذمہ کو وفا کرنے کا سب سے زیادہ حق دار میں ہوں)۔

احادیث میں ذمّی کے قتل کے بارے میں بڑی سخت وعیدیں منقول ہیں۔

"عن عبداللہ بن عمرو عن النبي ﷺ قال: من قتل معاهداً لم یرح رائحة الجنة وأن ریحها یوجد من مسیرة أربعین عاماً"(۳۱)۔(عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: جس نے کسی ذمّی کو قتل کردیا وہ جنت کی خوشبو نہیں سونگھے گا حالانکہ جنت کی خوشبو چالیس سال کی دوری سے بھی محسوس ہوگی)۔

ایک دوسری حدیث میں آپ ﷺ کا یوں ارشاد ہے کہ:

"ألا من قتل نفسا معاهدا له ذمة الله وذمة رسوله فقد أخفر بذمة الله فلا یرح رائحة الجنة وان ریحها لیوجد من مسیرة سبعین خریفا"(۳۲)

(خبردار! جس نے بھی کسی معاہد کو قتل کیا کہ جسے اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ حاصل تھا تو اس نے اللہ کے ذمہ کو توڑ دیا۔ پس ایسا شخص جنت کی خوشبو بھی نہ پا سکے گا جبکہ اس کی خوشبو ستر سال کی مسافت سے بھی محسوس ہوتی ہے)۔

''عن إبن عمر أن النبيّ أدى ذميا دية المسلم'' (۳۳). (حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ایک ذمّی کی دیت وہی ادا کی جو ایک مسلمان کی دیت ہوتی ہے)۔

اگر کوئی مسلمان کسی غیر مسلم کو جان بوجھ کر قتل کر دے تو کیا اس کا قصاص ہوگا؟۔اس بارے میں فقہاء کے مذاہب میں تفصیل ہے۔اگر تو کوئی غیر مسلم جسے کسی مسلمان نے عمداً قتل کر دیا ہے' حربی کافر تھا تو اس صورت میں بالاتفاق اس کا قصاص نہیں ہے۔اور اگر کوئی غیر مسلم معاہد یا ذمی یا اہل امان میں سے تھا اور اسے کسی مسلمان نے قتل کر دیا تو اس کے قصاص کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔جمہور علماء مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ، اہل الظاہر، محدثین اور اہل الحدیث کا کہنا یہ ہے کہ اس صورت میں مسلمان سے قصاص نہیں لیا جائے گا کیونکہ ایک مسلمان اور کافر کی جان برابر نہیں ہے۔ہاں! البتہ مسلمان اس کی دیت یعنی ۱۰۰ اونٹ ادا کرے گا۔حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ اس صورت میں مسلمان سے قصاص لیا جائے گا الا یہ کہ مقتول کے ورثاء معاف کر دیں۔جمہور کی دلیل درج ذیل حدیث ہے:

''لا يقتل مسلم بكافر'' (۳۴)۔(کسی بھی مسلمان کو کسی بھی کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا)۔

سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے زمانہ میں ایک مسلمان نے ایک ذمّی کو قتل کر دیا۔قانونی کارروائی اور ثبوت مکمل ہونے پر آپؓ نے قصاص کا حکم دے دیا۔حکم کے نفاذ سے پہلے مقتول کے بھائی نے آ کر کہا کہ میں نے خون معاف کر دیا۔آپؓ نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا: ''لعلهم فزعوك او هددوك'' (شاید ان لوگوں نے تجھے ڈرایا دھمکایا ہے)۔اس نے کہا نہیں مجھے خون بہا مل چکا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس کے قتل سے میرا بھائی واپس نہیں آ جائے گا۔اس پر آپؓ نے قاتل کو رہا کیا اور فرمایا: ''من كان له ذمتنا فدمه كدمنا و ديته كديتنا'' (۳۵). (جو کوئی بحیثیت ذمّی ہمارے پاس ہے تو اس کا خون ہمارے خون کی طرح ہے اور اس کی دیت ہماری دیت کی طرح ہے)۔

معاہد میں کونسے غیر مسلم داخل ہیں؟ اس بارے میں امام ابن قیمؒ فرماتے ہیں:

''الكفار اما أهل حرب واما أهل عهد ثلاثة أصناف؛ أهل ذمة و أهل هدنة و أهل أمان'' (۳٦)

''کفار یا تو حربی ہوتے ہیں یا پھر معاہد۔پھر معاہد کی بھی تین قسمیں ہیں: ایک ذمی، دوسرا جن سے صلح ہوئی ہو اور تیسرے وہ کفار جنہیں امان دی گئی ہو۔''

ایک دوسری روایت کے مطابق آپؐ نے فرمایا: ''إنی قبلو عقدة الذمة لتكون أموالهم كاموالنا

و دمائھم کدمائنا"(۳۷) (انہوں نے عقدِ ذمہ کو قبول ہی اس لیے کیا کہ ان کے مال ہمارے مال کی طرح اور انکے خون ہمارے خون کی طرح ہو جائیں)۔

عزت کی حفاظت:

جان کی حفاظت کی طرح عزت کی حفاظت میں بھی غیر مسلم برابر ہے۔ زبان یا ہاتھ پاؤں سے تکلیف پہنچانا، گالی دینا، مارنا پیٹنا یا اس کی غیبت کرنا اسی طرح ناجائز ہے جس طرح مسلمان کے حق میں ناجائز ہے۔ فقہاء نے اسے وضاحت سے لکھا ہے:

"ویجب کف الاذی عنه وتحرم غیبته کالمسلم"(۳۸)

"غیر مسلم کو اذیت پہنچانا اور اسکی غیبت کرنا ایسے ہی ناجائز ہے جیسے مسلمان کی ہے۔"

مال کی حفاظت:

غیر مسلم کے مال کی حفاظت بھی اسی طرح ضروری ہے جس طرح مسلمان کے مال کی۔ اس سلسلے میں دونوں کے حقوق یکساں ہیں۔ سیدنا علیؓ کے ارشاد اموالھم کاموالنا (ان کے مال ہمارے مال کی طرح ہیں)(۳۹) سے یہی مستنبط ہوتا ہے۔ کسی شخص کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ غیر مسلم شہری کے مال کو ہڑپ کرے یا اسے نقصان پہنچائے۔

ابوعبید قاسم بن سلامؒ نے قرن اول کے مسلمانوں کے بعض واقعات نقل کئے ہیں جن سے اہل ذمہ کے مال کی حفاظت کے سلسلے میں ان کے رویے کا پتہ چلتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

صعصعہؒ سے روایت ہے کہ میں نے ابن عباسؓ سے پوچھا کہ ہم لوگ جب اہل ذمہ کی بستیوں سے گزرتے ہیں تو ان کی چیزوں میں سے کبھی کوئی چیز لے لیتے ہیں۔ انہوں نے پوچھا: بلا قیمت؟ میں نے کہا ہاں! بلا قیمت۔ ابن عباسؓ نے فرمایا: کہ تم اس بارے میں کیا کہتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ ہم کہتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں (یعنی معمولی بات ہے) انہوں نے فرمایا: کہ تم لوگ وہی بات کہتے ہو جو اہل کتاب کہتے ہیں:

﴿لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّينَ سَبِيلٌ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾ (۴۰)

"ہمارے لئے امیوں، غیر اہل کتاب کا مال کھا جانے میں کوئی حرج نہیں ہے اور وہ اللہ پر جان بوجھ کر بہتان لگاتے ہیں۔"

معاشی حقوق کا تحفظ:

اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہریوں کو معاشی سرگرمیوں کی اسی طرح آزادی ہے جس طرح مسلم شہریوں کو حاصل ہوگئی اور ان پر ایسی کوئی پابندی نہیں لگائی جا سکے گی جو مسلمانوں کے لئے نہ ہو۔ معاشی میدان میں جدوجہد کا حق مسلم اور غیر مسلم دونوں کے لئے مساویانہ ہوگا۔ تجارت کے جو طریقے مسلمانوں کے لیے ممنوع ہوں گے وہی غیر مسلموں کے لئے بھی ممنوع

ہوں گے۔البتہ غیر مسلموں کو شراب اور سور کا استثنا حاصل ہوگا۔وہ شراب بنانے پینے اور بیچنے کا حق رکھتے ہیں اگر کوئی مسلمان شراب یا اس کے سور کو نقصان پہنچائے تو اس پر تاوان لازم آئے گا۔فقہاء نے اس کی وضاحت کی ہے۔

''ویضمن المسلم قیمة خمره وخنزیر إذا تلفه'' (۴۱)

''مسلمان (غیر مسلم) شراب اور خنزیر کی قیمت دے گا اگر اس کو ضائع کر رہا ہو۔''

شخصی معاملات:

غیر مسلموں کے شخصی معاملات ان کی اپنی ملت کے قانون کے مطابق طے ہوں گے۔مسلمانوں کے شخصی معاملات میں جو کچھ ناجائز ہے وہ ان پر نافذ نہیں کیا جائے گا بلکہ ان معاملات میں ان کے مذہبی وقومی قانون کا خیال رکھا جائے گا اور اسلامی عدالت انہی کے قوانین کے مطابق فیصلے کرے گی۔مثلاً بغیر گواہوں کے نکاح یا بلامہر نکاح یا زمانہ عدت کے اندر نکاح ثانی یا محرمات کے ساتھ نکاح اگر ان کے ہاں جائز ہوں تو انہیں جائز قرار دیا جائے گا۔خلفاء راشدین اور ان کے بعد کے تمام ادوار میں اسلامی حکومتوں کا اس پر عمل رہا ہے۔عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس معاملے میں حسن بصریؒ سے اس معاملہ میں فتویٰ طلب کرتے ہوئے لکھا تھا:

''مابال الخلفاء الراشدین ترکوا أهل الذمة وما هم علیه من نکاح المحارم واقتناء الخمور والخنازیر''

''کیا بات ہے کہ خلفاء راشدین نے ذمیوں کو محرمات کے ساتھ نکاح اور شراب اور سور کے معاملے میں آزاد چھوڑ دیا؟۔''

امام ابو یوسف نے مجوسیوں کے سلسلے میں عمر بن عبدالعزیز کا خط نقل کیا ہے جس کا مفہوم اس سے ملتا جلتا ہے۔(۴۲)

اہل کتاب عورتوں سے نکاح:

اسلام نے مشرک مردوں اور عورتوں سے نکاح کو ناجائز قرار دیا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلاَ تُنكِحُواْ الْمُشِرِكِينَ حَتَّى يُؤْمِنُوا﴾(۴۳)

''اور تم اپنی عورتوں کا مشرک مردوں سے نکاح نہ کرو یہاں تک وہ ایمان لے آئیں۔''

جہاں تک مسلمان مرد کا کسی غیر مسلم عورت سے نکاح کرنے کا معاملہ ہے تو جو عورتیں مرتد اور مشرک ہوں تو ان کے ساتھ تو کسی قسم کا نکاح جائز نہیں ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلاَ تَنكِحُواْ الْمُشْرِكَاتِ حَتَّى يُؤْمِنَّ﴾(۴۴)

''اور تم مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں۔''

جبکہ اہل کتاب عورتوں سے نکاح کو جائز قرار دیا ہے۔ چنانچہ سورہ مائدہ میں ارشاد ہے:

﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِيْنَ أُوتُواْ الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ وَلاَ مُتَّخِذِيْ أَخْدَانٍ وَمَن يَكْفُرْ بِالإِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ وَهُوَ فِيْ الآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ﴾(۴۵)

''(تمہارے لیے حلال ہیں) اہلِ ایمان کی پاک دامن عورتیں اور جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی، جب کہ تم انہیں ان کے مہر ادا کرو، انہیں قید نکاح میں لاؤ، بدکاری نہ کرو اور چوری چھپے دوستی نہ کرو۔ یاد رکھو جو شخص ایمان کا انکار کردے اس کا عمل رائیگاں گیا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والا ہوگا۔''

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ایک مسلمان جس طرح شریف مسلمان عورت سے نکاح کرسکتا ہے اسی طرح شریف کتابیہ سے بھی نکاح کرنا اس کے لیے جائز ہے۔ اس کی وجہ بظاہر یہ ہے کہ مسلمانوں اور اہلِ کتاب کے درمیان عقائد کا بڑی حد تک اشتراک پایا جاتا ہے۔ وہ خدا کو مانتے ہیں، اصولاً توحید کے بھی قائل ہیں۔ وحی و رسالت کو تسلیم کرتے ہیں، آخرت اور وہاں کی جزا و سزا کا بھی تصور رکھتے ہیں۔ ان کے عقائد میں انحراف بھی ہے لیکن اس کے باوجود ان کی کوئی عورت کسی مسلمان کے حبالہ عقد میں آئے تو اس طرح کی دوری نہیں محسوس کریں گے جس طرح کی دوری کسی مشرک عورت سے مسلمان کے نکاح کی صورت میں پائی جاسکتی ہے۔

سوال یہ ہے کہ کیا اہل کتاب مشرکین کے زمرے میں نہیں آتے؟ کیا ان کے اندر کسی نہ کسی نوعیت کا شرک نہیں پایا جاتا یا یہ کہ وہ ہر طرح کے شرک سے پاک ہیں؟ اگر ان میں بھی شرک ہے تو پھر سورہ مائدہ کے حکم کی نوعیت کیا ہے؟

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ پہلے سورہ بقرہ میں مشرکات سے نکاح کی ممانعت کی گئی پھر سورہ مائدہ کی آیت کے ذریعہ اہل کتاب کو اس سے مستثنیٰ کیا گیا۔

یہی بات متعدد تابعین نے کہی ہے۔ علامہ ابن جریر طبری ان آراء کے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ سورہ بقرہ میں جن مشرکات کا ذکر ہے اس میں اہل کتاب کی عورتیں نہیں آتیں۔ ان سے نکاح کو اللہ تعالیٰ نے جائز قرار دیا ہے۔ یہی حضرت قتادہؒ سے منقول ہے اور اسی کو ترجیح حاصل ہے۔(۴۶)

قرآن مجید نے اہلِ کتاب عورتوں سے نکاح کی اجازت دی ہے۔ اس کی اجازت نہیں دی ہے کہ کوئی مسلمان عورت اہلِ کتاب میں سے کسی کے عقد میں چلی جائے۔ یہ ہر حال میں ناجائز ہے۔

اس سلسلہ میں ایک مرفوع حدیث بھی حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''نتزوج نساء أهل الكتب ولا يتزوجون نساء نا''(۴۷) (ہم اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کریں گے لیکن ہماری عورتوں سے نکاح کی اجازت نہ ہوگی)۔

ان دلائل کی بناء پر جمہور کے نزدیک کتابیہ سے نکاح جائز ہے بلکہ بعض اصحابِ علم نے تو لکھا ہے کہ اس کے جواز پر امت کا اجماع ہے۔ علامہ ابن قدامہ حنبلی کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور اس کا شکر ہے کہ اہلِ علم کے درمیان اہل کتاب کی آزاد عورتوں سے نکاح کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں ہے جن اصحاب سے اس کا جواز منقول ہے ان میں حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت حذیفہؓ، حضرت سلمانؓ اور حضرت جابرؓ وغیرہ شامل ہیں۔ علامہ ابن المنذر فرماتے ہیں کہ امت کے ابتدائی دور کے اصحاب میں سے کسی سے بھی اس کی حرمت منقول نہیں ہے۔ خلال کی روایت ہے کہ حضرت حذیفہؓ حضرت طلحہؓ، جارود بن المعلیٰ اور اذنیۃ العبدی نے اہلِ کتاب کی عورتوں سے نکاح کیا ہے۔ یہی بات تمام اہلِ علم نے کہی ہے۔ البتہ شیعہ میں فرقہ امامیہ نے اسے حرام قرار دیا ہے اور سورہ بقرہ اور سورہ ممتحنہ کی آیات سے اس پر استدلال کیا ہے۔ (۴۸)

صحابہ کرام میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے متعلق آتا ہے کہ وہ اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کو صحیح نہیں سمجھتے تھے۔ اس لیے کہ ان کے نزدیک وہ بھی مشرکین میں شامل ہیں۔ چنانچہ جب ان سے یہودیہ یا نصرانیہ سے نکاح کے متعلق دریافت کیا جاتا تو جواب دیتے:

"إن الله حرم المشركات على المؤمنين ولا أعلم من الاشراک شيئًا أكبر من أن تقول المرأة ربها عيسىٰ وهو عبد من عباد الله" (۴۹)

"اللہ تعالیٰ نے مشرکات کو مومنین کے لیے حرام ٹھہرایا ہے میں نہیں جانتا کہ اس سے بڑا شرک کوئی اور ہوسکتا ہے کہ عورت کہے کہ عیسیٰ اس کے رب ہیں۔ حالانکہ وہ اللہ کے بندوں میں سے ایک ہیں۔"

اہل کتاب عورتوں کے نکاح میں احتیاط:

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کتابیات سے نکاح پر حضرت عمرؓ نے سخت برہمی کا اظہار کیا۔ چنانچہ مشہور تابعی حضرت شفیق کی (صحیح سند کے ساتھ) روایت ہے کہ حضرت حذیفہؓ نے ایک یہودیہ سے شادی کی تو حضرت عمرؓ نے لکھا کہ اسے وہ طلاق دے دیں، حضرت حذیفہ نے جواب میں لکھا کہ اگر آپ اسے حرام سمجھتے ہیں تو بتائیں میں اسے چھوڑ دوں۔ حضرت عمرؓ نے جواب میں لکھا:

"لا أزعم أنها حرام ولكن أخاف أن تعاطوا المومسات منهن" (۵۰)

"میں نہیں کہتا کہ وہ حرام ہے لیکن مجھے ڈر ہے کہ تم ان کی بدکار عورتوں سے نکاح نہ کرنے لگو۔"

اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ اس بات کے تو قائل تھے کہ کتابیات سے نکاح جائز ہے لیکن انہیں اندیشہ تھا کہ اس پر عمل ہو تو ان کی صالح عورتیں ہی نہیں ان کی غلط کار عورتیں بھی مسلمانوں کے گھروں میں پہنچنے لگیں گی۔ اس اندیشہ کی بنیاد یں

غالباً دو تھیں۔ ایک یہ کہ اس وقت یہود و نصاریٰ انتہائی اخلاقی گراوٹ میں مبتلا تھے۔ اس حالت میں ان سے ازدواجی رشتے مسلمانوں کے اخلاقی زوال کا سبب بن سکتے تھے۔ دوسرے یہ کہ قرآن مجید نے عفیف اور پاک دامن عورتوں سے نکاح کی اجازت دی ہے۔ حضرت عمرؓ شاید یہ محسوس فرما رہے تھے کہ اس کی معلومات کا کوئی اطمینان بخش ذریعہ نہیں ہے بہرحال حضرت عمرؓ کے بارے میں یہی بات صحیح ہے کہ وہ اصولاً کتابیات سے نکاح کے جواز کے قائل تھے لیکن مسلم معاشرہ میں اس کے رواج کو ناپسند فرماتے تھے۔ جبکہ مسلمان عورت کا غیر مسلم مرد کے ساتھ نکاح جائز نہیں ہے اور اس پر علماء کا اتفاق ہے۔ ''الاجماع علی تحریم نکاح الکافر اللمراۃ المسلمة'' (۵۱)۔

غیر مسلم کے ساتھ کھانے پینے کا حکم:

غیر مسلم کے ساتھ کھانا پینا بھی مباح ہے۔ وقت ضرورت اسے دعوت دی جاسکتی ہے اور اس کی دعوت قبول کی جاسکتی ہے۔ جس معاشرہ میں مختلف مذاہب کے ماننے والے رہتے ہوں وہاں اس طرح کی دعوتوں اور تقریبات کی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔ اس سے دینی اور سماجی بہت سے فائدے اٹھائے جاسکتے ہیں۔

قرآن مجید نے اہل کتاب کے بارے میں فرمایا:

﴿وَطَعَامُ الَّذِيْنَ أُوتُواْ الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ﴾ (۵۲)

''ان لوگوں کا کھانا جن کو کتاب دی گئی تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال ہے۔''

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ 'تمہارا ذبیحہ ان کے لیے حلال ہے' کا ایک مفہوم یہ بھی ہے اور اسی کو ترجیح حاصل ہے کہ جس طرح تم ان کا ذبیحہ کھا سکتے ہو اسی طرح تم انہیں اپنا ذبیحہ کھلا سکتے ہو۔ اس کی ممانعت نہیں ہے۔ (۵۳)

رسول اللہ ﷺ نے غیر مسلموں کی دعوت قبول فرمائی ہے۔ حضرت انسؓ کی روایت ہے:

''انّ یهودیا دعا النبي ﷺ إلی خبز شعیر وھالة سنخة فأجابه'' (۵۴)

''ایک یہودی نے نبی ﷺ کو جو کی روٹی اور بدبودار چربی (یا تیل) کی دعوت دی۔ آپ نے قبول فرمائی۔''

حنفیہ کا کہنا یہ ہے کہ مجوسی کی دعوت پر جانا مکروہ ہے اور عیسائی کی دعوت پر جانا جائز ہے۔ شافعیہ کے نزدیک غیر مسلم کی دعوت قبول کرنا واجب ہے۔ (۵۵)

روایات سے ثابت ہے کہ جنگ خیبر کے ختم ہونے کے بعد ایک یہودی عورت نے آپ ﷺ کے پاس بکری کا گوشت بھجوایا یا آپ کی دعوت کی، اس میں زہر تھا۔ آپ نے لقمہ لیتے ہی اسے تھوک دیا۔ اس کے باوجود اس کا اثر آپ پر ہوا۔ آپ کے ساتھی بشر بن براءؓ کا اسی سے انتقال ہوگیا۔ (۵۶)

رسول اللہ ﷺ نے غیر مسلموں کے کھانے پینے کا اہتمام بھی فرمایا ہے:

قبیلہ بنو ثقیف کے وفد کو جو ابھی اسلام نہیں لایا تھا آپؐ نے مسجد نبوی میں ٹھہرایا۔ حضرت خالد بن سعیدؓ اس کے

کھانے کا انتظام فرماتے تھے۔ وفد کے لوگ حضرت خالدؓ کے کھانے سے پہلے کھانا نہیں کھاتے تھے۔(۵۷)۔

غیر مسلم کے سلام کا جواب:

امام ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ کافر اگر السام علیکم کے الفاظ سے سلام کرے یا اس کے الفاظ میں کوئی شک ہو کہ کیا الفاظ استعمال کر رہا ہے تو اس صورت میں اسے صرف 'علیکم' کے الفاظ سے جواب دینا چاہیے اور اگر یہ بات ثابت ہو کہ کافر نے 'السلام علیکم' کے الفاظ سے سلام کیا ہے تو اس صورت میں شرعی دلائل کی روشنی میں اسے 'علیک السلام' سے جواب دینا چاہیے کیونکہ یہ عدل واحسان پر مبنی بات ہے اور ہمیں عدل واحسان کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذَا حُيِّيْتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّواْ بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا﴾(۵۸)

''اور جب تمہیں درازی عمر کی دعا دی جائے تو تم بھی اس سے بہتر دعا دو یا کم از کم وہی لوٹا دو۔''

علامہ ابن حجر نے بعض شافعیہ سے 'فتح الباری' میں یہ نقل کیا ہے کہ انہیں جواب میں 'علیکم السلام' کہنا جائز ہے لیکن رحمت کی دعا ان کے لیے نہ کرے اور اس کی دلیل انہوں نے قرآن کی اس آیت کو بنایا ہے: ﴿فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلَامٌ﴾(۵۹)۔(آپ ان مشرکین سے درگزر کریں اور انہیں سلام کہیں)۔

بعض روایات میں اس بات کی وضاحت موجود ہے کہ آپ کی طرف سے مسلمانوں کو 'علیک' کے الفاظ میں جواب دینے کی ہدایت اس صورت میں تھی جبکہ یہود 'السام علیک' کے الفاظ سے سلام کرتے تھے۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں: ''اذا سلم علیکم الیھود فانما یقول أحدھم السام علیک فقل وعلیک'' (۶۰)۔(جب یہود تم پر سلام بھیجیں اور وہ درحقیقت تمہیں 'السام علیک' یعنی تم پر ہلاکت ہو کہتے ہیں۔ پس تم ان کے جواب میں 'وعلیک' کہو)۔

حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک مسلمان کا غیر مسلم سے مصافحہ کرنا مکروہ ہے۔ حنفیہ کا کہنا یہ ہے کہ اگر کوئی عیسائی پڑوسی ایسا ہو جو عرصہ دراز کے بعد گھر واپس آیا ہو تو اس سے مصافحہ کیا جا سکتا ہے۔ حنابلہ نے بھی غیر مسلم سے مصافحہ کو مکروہ قرار دیا ہے۔(۶۱)

البتہ مالکیہ نے اسے ناجائز قرار دیا ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ شریعت کے عمومی دلائل میں یہ رہنمائی موجود ہے کہ وہ مسلمانوں کو غیر مسلموں سے الگ اور علیحدہ رکھنا چاہتی ہے لہٰذا ان سے مصافحہ کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ مصافحہ کسی کو قریب کرنے کا ذریعہ ہے۔(۶۲)

ہمیں اس مسئلے میں کوئی صریح دلیل نہیں ملی جو غیر مسلموں سے مصافحے کی ممانعت پر دلالت کرنے والی ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ قرآن کے عمومی دلائل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو کفار حربی نہ ہوں ان سے حسن سلوک کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ﴾(۶۳)

''اللہ تعالیٰ تمہیں ان کفار سے حسن سلوک اور انصاف کرنے سے منع نہیں کرتا جنہوں نے تم سے دین کے معاملے میں کوئی لڑائی نہ کی ہو اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہ نکالا ہو اور تم ان کے ساتھ انصاف کرو بیشک اللہ انصاف کرنے والوں کے ساتھ محبت کرتا ہے۔''

زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ غیر مسلم سے مصافحہ میں پہل نہیں کرنی چاہیے لیکن اگر وہ ہاتھ بڑھا دے تو جواباً مصافحہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور نہ ہی اس کی ممانعت کی کوئی شرعی دلیل موجود ہے۔

غیر مسلم کے برتن وغیرہ کے استعمال کا حکم:

جو برتن غیر مسلم افراد یا کمپنیاں تیار کرتی ہیں ان کی خرید وفروخت یا استعمال کے مباح ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ البتہ جو برتن ان کے استعمال میں ہوں ان کے بارے میں سوال یہ ہے کہ ان کا استعمال صحیح ہے یا نہیں؟ اگر صحیح ہے تو اس کے ساتھ کچھ شرائط ہیں یا نہیں؟ اس کا جواب متعدد احادیث میں ملتا ہے۔

حضرت ابو ثعلبہ خشنیؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ ہم لوگ ایسے علاقہ میں رہتے ہیں جہاں اہلِ کتاب ہیں، کیا ہم ان کے برتن کھانے کے لیے استعمال کرسکتے ہیں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

''فإن وجدتم غير آنيتهم فلا تأكلوها وإن لم تجدوا فاغسلوها ثم كلوا فيها'' (٦٤)

''اگر تمہیں ان کے برتنوں کے علاوہ دوسرے برتن دستیاب ہوں تو ان کے برتنوں میں نہ کھاؤ۔ لیکن اگر دستیاب نہ ہوں تو انہیں دھولو پھر ان میں کھاؤ۔''

حضرت ابو ثعلبہؓ ہی کی ایک اور روایت سے اس کی وجہ بھی سامنے آتی ہے۔ اس روایت میں ان کا سوال ان الفاظ میں نقل ہوا ہے۔

''إنا نجاور أهل الكتاب وهم يطبخون في قدورهم الخنزير ويشربون في آنيتهم الخمر''

''ہم اہلِ کتاب کے پڑوس میں رہتے ہیں اور وہ اپنی ہانڈیوں میں خنزیر کا گوشت پکاتے اور اپنے برتنوں میں شراب پیتے ہیں (کیا یہ برتن ہم استعمال کرسکتے ہیں۔''

اس کے جواب میں آپ نے فرمایا:

''إن وجدتم غيرها فكلوا فيها واشربوا وإن لم تجدوا غيرها فارحضوها بالماء''(٦٥)

''اگر تمہیں ان برتنوں کے علاوہ دوسرے برتن دستیاب ہوں تو تم ان ہی میں کھاؤ اور پیو۔ اگر دوسرے برتن نہ ہوں تو انہیں پانی سے دھو کر صاف کرلو۔''

اس سے صاف واضح ہے کہ یہ اہلِ کتاب یا غیر مسلموں کے ان برتنوں کا حکم ہے جنہیں وہ حرام اور ناپاک چیزوں کے پکانے اور کھانے پینے کے لیے استعمال کرتے تھے جو برتن ان چیزوں کے لیے استعمال نہ ہوں ان کے بارے میں یہ حکم

نہ ہوگا کہ ''اہتمام کے ساتھ پاک صاف کر کے بدرجہ مجبوری استعمال کیا جائے''۔اس سے ایک بات یہ بھی نکلتی ہے کہ اچھی طرح دھودینے کے بعد ہر طرح کے برتن استعمال کیے جاسکتے ہیں۔

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوات میں شریک ہوتے تھے۔مشرکین کے کھانے پینے کے جو برتن ہاتھ آتے انہیں استعمال کرتے تھے۔آپؐ اس پر کوئی اعتراض نہیں فرماتے تھے۔(۶۶)

غیر مسلم کے کپڑے کے استعمال کرنے کا حکم:

غیر مسلم بنکروں یا ان کے کارخانوں کے تیار کردہ کپڑے کا استعمال بالاتفاق جائز ہے۔البتہ ان کے استعمال شدہ کپڑوں کے بارے میں علماء کے یہاں کچھ تفصیل ملتی ہے:

علامہ ابن قدامہ حنبلی کہتے ہیں کہ اہلِ کتاب کے استعمال شدہ کپڑے جیسے عمامہ،طیلسان (وہ چادر جو لباس کے اوپر عبا کی طرح اوڑھی جاتی ہے) یا بدن کے اوپر کے حصہ میں استعمال ہونے والے کپڑے تو یہ استعمال کیے جاسکتے ہیں۔البتہ جسم کے نچلے حصہ کے لیے جو کپڑے استعمال ہوتے ہیں ان سے احتراز اولیٰ ہے۔اس لیے کہ یہ لوگ عبادت کے لیے طہارت کا خیال نہیں رکھتے۔ابوالخطاب کہتے ہیں کہ اصل طہارت ہے۔جب تک کسی کپڑے کے ناپاک ہونے کا ثبوت نہ ہو اسے پاک ہی سمجھنا چاہیے۔

غیر اہل کتاب مجوسیوں اور بت پرستوں کے برتنوں اور کپڑوں کے بارے میں ابوالخطاب کہتے ہیں کہ ان کا حکم بھی اہلِ کتاب ہی کا ہے یعنی ان کے کپڑے اور برتن پاک سمجھے جائیں گے اور ان کا استعمال جائز ہوگا جب تک کہ ان کے نجس ہونے کا یقین نہ ہو۔یہی امام شافعی کا مسلک ہے۔

یہ تو استعمالی کپڑوں کا حکم ہے۔وہ کپڑے جو غیر مسلم تیار کرتے ہیں وہ پاک ہیں۔ان میں نماز پڑھی جاسکتی ہے۔رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ یہی کپڑے استعمال کرتے تھے۔فقہاء کی عام رائے یہی ہے۔(۶۷)

غیر مسلموں سے تحائف کا تبادلہ:

تحفے تحائف کا تبادلہ سماجی اور معاشرتی زندگی کا ایک خوش گوار تقاضا ہے۔اس سے تعلقات کو بہتر بنانے میں مدد ملتی ہے۔بعض اوقات اس سے سیاسی فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں۔

احادیث میں غیر مسلموں کو تحفے دینے اور ان کے تحفے قبول کرنے کا ثبوت موجود ہے۔رسول خدا ﷺ کو غیر مسلم سلاطین اور سربراہانِ مملکت نے تحفے پیش کیے اور آپ نے قبول فرمائے۔بعض اوقات آپ نے خود بھی انہیں تحفے عنایت کیے۔

یہاں اس سلسلہ کے بعض واقعات کا ذکر کیا جارہا ہے۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں:

"إنّ کسریٰ أھدیٰ له فقبل وإنّ الملوک أھدوا إلیه فقبل منھم" (۶۸) (کسریٰ شاہ ایران نے آپ کو ہدیہ پیش کیا آپ نے قبول کیا (اسی طرح) بادشاہوں نے آپ کو ہدیے دیئے آپ نے قبول فرمائے۔

حضرت علیؓ ہی کی ایک اور روایت میں کسریٰ کے ساتھ قیصر کا بھی ذکر ہے۔اس کے الفاظ ہیں:

"أھدیٰ کسریٰ لرسول اللہ ﷺ فقبل منه وأھدیٰ له قیصر فقبل منه وأھدت له الملوک فقبل منھم" (۶۹)

"کسریٰ نے رسول اللہ ﷺ کو ہدیہ دیا۔آپ نے قبول کیا قیصر نے ہدیہ دیا آپ نے قبول کیا اور (دوسرے) بادشاہوں نے آپ کو ہدیے دیئے آپ نے قبول فرمائے۔"

غزوہ تبوک سنہ ۹ھ میں ہوا تھا۔حضرت ابوحُمید ساعدیؓ اس کے واقعات کے ذیل میں بیان کرتے ہیں کہ اَیلہ کے بادشاہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بطور تحفہ ایک سفید خچر پیش کیا اور ایک چادر پہنائی (اس نے آپ سے مصالحت کی اور جزیہ ادا کیا) آپ نے اس کے علاقہ پر اس کا قبضہ باقی رکھا۔(۷۰)

حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ اکیدر دومہ نے رسول اللہ ﷺ کو ایک ریشمی کُرتا بطور ہدیہ بھیجا تھا لوگ اسے تعجب سے دیکھنے لگے تو آپؐ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے جنت میں سعد بن معاذؓ کے رومال اس سے عمدہ ہیں"۔(۷۱)

غیر مسلم کے عطیات سے فائدہ اٹھانا:

ایک غیر مسلم کے عطیات سے مسلمان استفادہ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ تو اس بارے شریعت کے عمومی دلائل سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کی رخصت اور اجازت ہے بشرطیکہ اس میں جھوٹ اور دھوکے وغیرہ کا عنصر نہ ہو۔مثلاً یورپ میں مقیم مسلمانوں کا اپنی حکومتوں سے بے روزگاری الاؤنسز لینا یا کسی مسلمان کا کسی مغربی ملک میں اعلیٰ تعلیم کے لیے وہاں کے اداروں سے اسکالرشپ لینا وغیرہ۔اس کی دلیل قرآن کی درج ذیل آیت ہے: ﴿وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ﴾ (۷۲)۔(اور اہل کتاب کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال ہے)۔اور ایک جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ أَنفِقُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنُطْعِمُ مَن لَّوْ يَشَاءُ اللَّهُ أَطْعَمَهُ إِنْ أَنتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾ (۷۳)۔(اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم خرچ کرو اس میں سے جو اللہ نے تمہیں رزق دیا ہے تو جن لوگوں نے کفر کیا وہ کہتے ہیں: کیا ہم ان کو کھلائیں کہ جنہیں اگر اللہ چاہتا تو خود کھلا دیتا۔(اے مسلمانو) تم تو صریح گمراہی میں مبتلا ہو)۔

غیر مسلم کو زکوٰۃ دینا:

غیر مسلم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے؛ اہل علم کا اس مسئلے میں اتفاق ہے۔امام ابن قدامہ لکھتے ہیں:

''﴿لا نعلم بين أهل العلم خلافا في أن زكاة الأموال لا تعطى لكافر و لا لمملوك'' (۷۴).

''ہمیں اس مسئلے میں اہل علم میں سے کسی کے اختلاف کا علم نہیں ہے کہ زکوٰۃ کا مال نہ تو کافر کو دیا جائے گا اور نہ ہی غلام کو''

امام ابن منذر فرماتے ہیں:

''واجمعوا على أن الذمى لا يعطى من زكاة الأموال شيئا'' (۷۵)

''علماء کا اس مسئلے میں اجماع ہے کہ زکوٰۃ کے مال میں سے ذمی کو کچھ بھی نہ دیا جائے گا۔''

اس اجماع کی دلیل درج ذیل روایت ہے:

''تؤخذ من أغنيائهم و ترد في فقرائهم'' (۷۶)

''زکوٰۃ یعنی مسلمانوں کے اغنیاء سے وصول کی جائے گی اور ان کے فقراء میں لوٹا دی جائے گی۔''

کافر پر نفلی صدقہ کرنا:

حنابلہ، شافعیہ کے مشہور مذہب اور امام محمد کے نزدیک کافر پر نفلی صدقہ کرنا جائز ہے، چاہے ذمی ہو یا حربی۔ (۷۷)

اس موقف کی دلیل قرآن کی درج ذیل آیت ہے:

﴿وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ مِسْكِيناً وَيَتِيماً وَأَسِيراً﴾ (۷۸)

''اور وہ مال کی محبت کے باوجود مساکین، یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔''

اسی طرح اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے: ''وفي كل كبد رطبة أجر'' (۷۹)۔ (اور ہر تر جگر رکھنے والے (یعنی زندہ) مخلوق کو کھلانے پلانے میں اجر و ثواب ہے)۔

بعض حنفیہ اور شافعیہ کا قول یہ ہے کہ معاہد غیر مسلم کو نفلی صدقہ دیا جا سکتا ہے لیکن حربی کافر کے لیے کسی قسم کا بھی صدقہ حلال نہیں ہے۔ (۸۰)۔

غیر مسلم کی وراثت پانا:

جمہور علماء یعنی آئمہ اربعہ کا موقف یہ ہے کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوگا اور درج ذیل حدیث کا ظاہری مفہوم ہے: ''لا يرث المسلم الكافر ولا الكافر المسلم'' (۸۱)۔ (مسلمان کافر کا وارث نہیں بنے گا اور نہ ہی کافر مسلمان کا وارث ہوگا)۔

جبکہ اہل علم کی ایک جماعت کا کہنا یہ ہے کہ اگر غیر مسلم حربی نہ ہو تو اس صورت میں مسلمان اس کا وارث ہوگا۔ یہ موقف حضرت معاذ بن جبل، معاویہ بن ابی سفیان، محمد بن حنفیہ، محمد بن علی بن الحسین، سعید بن میسب، مسروق اور شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ کا ہے۔ ان علماء کا کہنا یہ ہے کہ مسلمان تو کافر کا وارث ہوگا لیکن کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوگا جیسا کہ ہمارے لیے ان اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح جائز نہیں ہے۔ ان علماء نے اللہ کے رسول کی حدیث کا معنی یہ کیا ہے کہ ذمی، منافق اور

مرتد کا تو مسلمان وارث ہوگا لیکن حربی کا نہ ہوگا۔ ان اہل علم نے اس سے بھی استدلال کیا ہے کہ اللہ کے رسول کے زمانے میں ان منافقین کی وراثت بھی مسلمانوں میں جاری ہوتی تھی کہ جن کے کفر اور نفاق کی گواہی قرآن نے دی۔

دوسرا موقف اس لحاظ سے عقل و منطق کے مطابق ہے کہ اگر کسی مسلمان کا والد مرتد ہوکر مر جائے تو اس میں اولاد کا کیا قصور ہے جو وہ وراثت سے محروم رہے گی؟ ہاں! اگر کسی مسلمان کی اولاد مرتد ہو جائے تو اس اولاد کو وراثت سے بطور سزا محروم رکھنا تو سمجھ میں آتا ہے۔

اسی طرح اگر کسی غیر مسلم کی اولاد مسلمان ہو جاتی ہے اور اسے یہ نوید بھی سنائی جائے کہ تمہارے اسلام قبول کرنے سے تم اپنے والدین کی وراثت سے محروم ہو جاؤ گے تو اس صورت میں ہم غیر مسلموں پر اسلام کی قبولیت کے دروازے بند کر دیں گے جبکہ یہ بات اچھی طرح ہم میں سے ہر شخص پر واضح ہے کہ آج کے دور میں اسلام قبول کرنے والوں کا ایمان اس قدر مضبوط اور قوی نہیں ہوتا کہ وہ معاشرے، خاندان اور اپنے سابقہ اہل مذہب سے مجادلہ کرنے کے ساتھ ساتھ مزید کسی آزمائش کا سامنا کر سکیں، خاص طور پر ان حالات میں جبکہ ان کا تعلق کسی پسے ہوئے معاشرتی طبقے سے ہو اور ان کے معاشی حالات نے انہیں دوبارہ کفر کے قریب بھی کر دیا ہو۔

غیر مسلم کے لیے وصیت کرنا:

جمہور اہل علم کے نزدیک غیر مسلم کے حق میں وصیت کرنا جائز ہے اور اس کی دلیل قرآن کی درج ذیل آیت ہے:

﴿إِلَّا أَن تَفۡعَلُوٓاْ إِلَىٰٓ أَوۡلِيَآئِكُم مَّعۡرُوفٗا﴾(۸۲).

''سوائے اس کے کہ تم اپنے رشتہ داروں کے ساتھ کوئی معروف معاملہ کرو۔''

ام المومنین حضرت صفیہؓ کے بارے مروی ہے کہ انہوں نے اپنے یہودی بھائی کے حق میں ایک ہزار دینار کی وصیت کی تھی۔(۸۳)

غیر مسلم کی عیادت کرنا:

احادیث سے غیر مسلم کی عیادت کا بھی ثبوت ملتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بہ نفس نفیس غیر مسلم اشخاص کی عیادت کی ہے۔ حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ آپ بنو نجار کے ایک شخص کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے (اس دوران میں) اس سے کہا اے ماموں! آپ لا الہ الا اللہ کا اقرار کیجئے۔ اس نے کہا کہ میں ماموں ہوں یا چچا؟ آپ نے فرمایا: آپ نے فرمایا۔ نہیں ماموں ہیں (اس لیے کہ آپ کی والدہ حضرت آمنہ کا تعلق مدینہ سے تھا) اس نے کہا کہ کیا لا الہ الا اللہ کا اقرار میرے حق میں بہتر ہوگا؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں۔(۸۴)

حضرت انسؓ ہی کی روایت ہے کہ یہودی لڑکا رسول اللہ ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا۔ وہ بیمار ہوا تو آپ اس کی عیادت

کے لیے تشریف لے گئے اس کے سرہانے بیٹھے۔اس سے کہا کہ تم اسلام لے آ ؤ۔اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا جو اس کے قریب ہی بیٹھا تھا۔اس نے کہا ابو القاسم ﷺ کی بات مان لو چنانچہ وہ اسلام لے آیا۔ نبی ﷺ وہاں سے یہ کہتے ہوئے نکلے کہ اللہ کا شکر اس نے اس بچہ کو جہنم سے بچالیا۔(۸۵)

ان روایات سے مشرکین اور یہود کی عبادت کا ثبوت ملتا ہے۔اسلام کا پیش کرنا تو خیر خواہی کا تقاضا ہے۔آدمی جسے حق سمجھے گا اسے وہ ہر حال میں پیش کرنے کی کوشش کرے گا۔فقہاء نے رسول اکرم ﷺ کے اس اسوہ سے یہ ثابت کیا ہے کہ غیر مسلموں کی عیادت اور تعزیت جائز ہے اس میں از وائے شرع کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

حضرت عطاء بن ابی رباح کہتے ہیں کہ کوئی غیر مسلم بیمار ہو جائے تو اس کے مسلمان رشتہ دار کو اس کی عیادت کرنی چاہیے۔

"إن كانت قرابة قريبة بين مسلم و كافر فليعد المسلم الكافر" (۸٦)

(اگر مسلمان اور کافر کے درمیان قریبی رشتہ داری ہے تو مسلمان کو کافر کی عیادت کرنی چاہیے۔"

کسی سے قرابت اور رشتہ داری ہو تو اس کے حقوق زیادہ ہیں لیکن یہ عیادت کے لیے شرط نہیں ہے، یہ ایک دینی، اخلاقی بلکہ انسانی تقاضا ہے جسے پورا ہونا چاہیے۔سلیمان بن موسیٰ کہتے ہیں:

"نعود بني النصارىٰ وإن لم تكن بيننا وبينهم قرابة "(۸۷)

"ہم لوگ نصاریٰ کی اولاد کی عیادت کرتے ہیں اگر چہ کہ ہمارے اور ان کے درمیان قرابت نہیں ہے۔"

فقہ حنفی میں عمومی انداز میں کہا گیا ہے:

"ولا بأس بعيادة اليهودى والنصرانى لأنه نوع برّ فى حقهم وما نهينا عن ذلك" (۸۸)

"یہودی اور نصرانی کی عیادت میں کوئی حرج نہیں ہے اس لیے کہ یہ ان کے حق میں ایک طرح کی بھلائی اور حسن سلوک ہے اس سے ہمیں منع نہیں کیا گیا ہے۔"

درمختار میں ہے کہ اس بات پر اجماع ہے کہ ذمی کی عیادت جائز ہے، مجوسی کی عیادت کو بھی صحیح قول کے مطابق جائز قرار دیا گیا ہے۔(۸۹)

غیر مسلم کی تعزیت:

جمہور علماء کے نزدیک کسی غیر مسلم سے اس کے رشتہ دار کی وفات پر تعزیت کی جاسکتی ہے اور اس تعزیت کے لیے مختلف الفاظ فقہاء سے مروی ہیں۔غیر مسلم کا نماز جنازہ پڑھنا درست نہیں ہے کیونکہ کفار اور مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا سے اہل اسلام کو منع کیا گیا ہے اور نماز جنازہ مغفرت کی دعا ہوتی ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ آمَنُواْ أَن يَسْتَغْفِرُواْ لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُواْ أُوْلِيْ قُرْبَى﴾(۹۰)

(نبی اور اہل ایمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ مشرکین کے لیے استغفار کی دعا کریں اگر چہ وہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں)۔
البتہ کسی غیر مسلم عزیز یا دوست کے کفن دفن کے عمل میں شریک ہو سکتے ہیں۔

کسی کے عزیز وقریب کا انتقال ہو تو اس کا یہ حق ہے کہ اس کی تعزیت کی جائے اور اس کے ساتھ ہمدردی کا اظہار ہو۔ جس طرح مسلمان کی تعزیت کی جاتی ہے، غیر مسلم کی بھی تعزیت کی جانی چاہیے۔ یہ ایک سماجی تقاضا بھی ہے اور اسلام کی تعلیم کے عین مطابق بھی۔ البتہ اس موقع پر کوئی ایسی بات زبان سے نہیں نکلنی چاہیے جو ایک مسلمان کے عقیدہ کے خلاف ہو۔

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابو حنیفہ سے دریافت کیا کہ یہودی یا نصرانی کی اولاد یا قرابت دار کا انتقال ہو جائے تو کیسے تعزیت کی جائے؟ فرمایا اس طرح کہے۔

''اللہ تعالیٰ نے موت اپنی ہر مخلوق کے لیے لکھ دی ہے (اس سے کسی کو دستگاری نہیں) ہماری دعا ہے کہ موت جو ہماری نگاہوں سے اوجھل ہے، جب آئے تو خیر کے ساتھ آئے۔ ﴿انّا للہ و انا الیہ راجعون﴾۔ جو مصیبت آئی ہے اس پر صبر کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری تعداد نہ گھٹائے (تمہاری نسل میں کمی نہ ہو)۔(۹۱)

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ حضرت حسن بصریؒ کے پاس ایک نصرانی آیا اور آپ کی مجلس میں بیٹھا کرتا تھا۔ جب اس کا انتقال ہوا تو انہوں نے اس کے بھائی سے تعزیت کی۔ فرمایا تم پر جو مصیبت آئی ہے اللہ تعالیٰ تمہیں اس کا وہ ثواب عطا کرے جو تمہارے ہم مذہب لوگوں کو عطا کرتا ہے۔ موت کو ہم سب کے لیے برکت کا باعث بنائے اور وہ ایک خیر ہو جس کا ہم انتظار کریں جو مصیبت آئی ہے اس پر صبر کا دامن نہ چھوڑو۔(۹۲)

اس طرح نہ صرف یہ کہ تعزیت کا جواز ہے بلکہ کہا گیا ہے کہ کسی یہودی یا مجوسی کے بچہ کا انتقال ہو جائے تو اس کے مسلمان پڑوسی کو اس کی تعزیت کرنی چاہیے اور کہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا بہت اچھا جانشین عطا فرمائے اور آپ کے حالات کو بہتر بنائے۔

یہ ہے اس رویہ کی ایک جھلک جسے غیر مسلموں کے سلسلہ میں اپنانے کی قرآن وحدیث نے تعلیم دی ہے اور جس کی قانونی اور اخلاقی حیثیت سے ہمارے علماء وفقہاء نے بحث کی ہے۔

غیر مسلم کے پانی کا حکم:

اسلام کا نقطہ نظر یہ ہے کہ پانی اصلاً پاک ہے۔ کسی فرد کے ہاتھ لگانے سے وہ ناپاک نہیں ہو جاتا۔ وہ ناپاک اس وقت ہوتا ہے جب کہ اس میں کسی نجس اور ناپاک چیز کی آمیزش ہو جائے چنانچہ رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کرام نے غیر مسلموں کا پانی کھانے پینے حتیٰ کہ عبادات تک کے لیے استعمال کیا ہے۔

حضرت عمران بن حصینؓ ایک سفر کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ رات میں ہم نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا۔ صبح سب کی آنکھ لگ گئی۔ نماز

قضا ہوگئی۔فوراً بعد میں ادا کی گئی۔ ہمارے پاس پانی ختم ہو چکا تھا۔شدید پیاس لگی ہوئی تھی۔رسول اللہ ﷺ نے کچھ سواروں کے ساتھ مجھے پانی کی تلاش میں بھیجا۔ جب ہم نکلے تو دیکھا کہ ایک عورت پانی سے بھرے ہوئے دو مشک اپنی اونٹنی پر لیے جا رہی ہے ہم نے اس سے دریافت کیا کہ پانی کہاں مل سکتا ہے؟ اس نے کہا قریب میں پانی نہیں ہے۔ میں اپنے قبیلہ سے ایک دن اور ایک رات کا فاصلہ طے کر کے پانی لا رہی ہوں۔ اس نے بتایا کہ وہ ایک بیوہ عورت ہے اور اس کے چھوٹے چھوٹے یتیم بچے ہیں۔ ہم اسے لے کر رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں پہنچے۔ آپ کے حکم پر اونٹنی کو بٹھایا گیا۔ آپ نے مشک پر دست مبارک رکھا۔ تھوڑا سا پانی لے کر اس پر کلی کی۔ اس کے بعد آپ کا یہ معجزہ دیکھنے میں آیا کہ ہم چالیس افراد تھے ہم سب نے اس سے پانی پیا اور ہمارے پاس جو چھوٹے بڑے برتن تھے سب بھر لیے۔ ایک صاحب کو غسل کی حاجت تھی۔ انہیں اس کے لیے پانی دیا گیا۔ اس کے باوجود یوں محسوس ہو رہا تھا کہ مشک اس قدر بھرے ہوئے ہیں کہ پھٹے جا رہے ہیں۔ آپ نے اس عورت سے فرمایا دیکھو ہم نے تمہارا پانی کم نہیں کیا ہے پھر آپ کے حکم سے ہم لوگوں نے بچی ہوئی روٹی کے ٹکڑے اور کھجوریں اسے دیں آپ نے اس سے کہا جاؤ یہ اپنے بچوں کو کھلاؤ۔ اس نے اپنے قبیلہ میں پہنچ کر پورا واقعہ سنایا تو سب لوگ اسلام لے آئے۔(۹۳)

﴿توضأ عمر بالحميم من بيت نصرانية﴾ (۹۴) حضرت عمرؓ کے بارے میں روایت ہے کہ انہوں نے شام کے سفر میں ایک نصرانی عورت کے گھر سے گرم پانی لے کر وضو کیا۔

امام شافعیؒ نے اس روایت کو یوں نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک نصرانی عورت کے گھڑے سے پانی لے کر وضو کیا۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اہلِ کتاب کے پانی کو اس تفصیل میں گئے بغیر کہ وہ کس قسم کا پانی ہے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ مشرک کے پانی سے وضو کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ وہ اگر اپنی عبادت کے لیے وضو کرتا ہو تو اس کے بچے ہوئے پانی سے بھی وضو کیا جاسکتا ہے۔ ہاں اگر متعین طور پر یہ معلوم ہو کہ پانی نجس ہے تو وضو صحیح نہ ہوگا۔(۹۵)

غیر مسلم سے مضاربت کرنا:

فقہاء کا اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ غیر مسلموں سے مضاربت جائز ہے یا نہیں؟ حنفیہ اور حنابلہ کا کہنا یہ ہے کہ غیر مسلموں سے مضاربت جائز ہے۔ شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک یہ مضاربت مکروہ ہے کیونکہ غیر مسلم اپنے مال میں حلال و حرام کی پرواہ نہیں کرتا لہٰذا اس کے ساتھ مشارکت ناپسندیدہ ہے۔(۹۶)

اس مسئلے میں حنفیہ اور حنابلہ کا قول راجح ہے کیونکہ فی زمانہ حلال وحرام کی پرواہ تو مسلمانوں میں بھی ہے لیکن ان کے ساتھ عدم مشارکت کو کسی نے ناجائز قرار نہیں دیا ہے لہٰذا غیر مسلم کا حلال وحرام کی پرواہ نہ کرنا کوئی معقول وجہ نہیں ہے کہ

جس کی بنیاد پر اس کے ساتھ معاملات کو حرام قرار دیا جائے۔ اللہ کے رسول سے صحیح روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ یہود کے ساتھ قرض کا معاملہ کرلیا کرتے تھے۔ صحیح بخاری کی ایک روایت کے مطابق آپ کی وفات اس حالت میں ہوئی کہ آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس قرض کے عوض رہن رکھی گئی تھی۔ اسی طرح بعض صحابہ یہود کے ہاں اجرت پر کام بھی کیا کرتے تھے۔ غزوہ خیبر کے موقع پر خیبر کے یہودیوں کے ساتھ اجتماعی سطح پر مزارعت اور بٹائی کا معاملہ کیا ہے۔ لہٰذا اس مسئلے میں اصل یہ ہے کہ غیر مسلم کے ساتھ جس کاروبار میں شراکت ہو وہ کاروبار فی نفسہ جائز ہونا چاہیے اور دوسرا شراکت شرعی اصولوں کے مطابق ہو۔

غیر مسلموں کی عید/ کرسمس وغیرہ میں شرکت کرنا:

غیر مسلموں کی عید میں شرکت کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ ان باطل دین کے شعائر میں سے ہے اور اس میں شرکت کرنا ان کے باطل دین پر رضامندی کا قرینہ ہے لہٰذا اس سے اجتناب ضروری ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَاماً﴾ (۹۷)۔ (اور جو لوگ جھوٹ پر حاضر نہیں ہوتے اور جب کسی لغو کام پر ان کا گزر ہوتا ہے تو بڑے وقار سے گزر جاتے ہیں)۔

امام مجاہد نے اس آیت میں 'الزور' کی تفسیر مشرکین کی عید سے کی ہے۔ ربیع بن انس، قاضی ابو یعلیٰ، ابن سیرین اور ضحاک سے بھی یہی تفسیر مروی ہے۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو اہل مدینہ کے ہاں سال میں دو دن ایسے تھے جن میں وہ کھیل کود کرتے تھے تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

> ''ما هذان اليومان؟ قالوا: كنا نلعب فيهما في الجاهلية فقال رسول الله: ان الله قد أبدلكم بهما خيرا منهما: يوم الأضحى ويوم الفطر'' (۹۸).
>
> ''یہ دو دن کیسے ہیں؟ انصار نے جواب دیا: ہم دور جاہلیت میں ان دو دنوں میں کھیلا کودا کرتے تھے۔ پس آپ نے فرمایا: بلاشبہ! اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان دو دنوں کے بدلے میں ان سے بہتر دو دن عطا کر دیے ہیں اور وہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن ہیں۔''

حضرت عمرؓ کا فرمان ہے: ''اجتنبوا أعداء الله في عيدهم'' (۹۹)۔ (اللہ کے دشمنوں سے ان کی عید کے بارے میں بچو)۔

امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں: ﴿ان الأعياد من أخص ما تتميز به الشرائع ومن أظهر مالها من الشعائر فالموافقة فيها موافقة في أخص شرائع الكفر وأظهر شعائره﴾ (۱۰۰)۔ (عیدیں کسی بھی مذہب کے خصوصی امتیازات میں سے ہوتی ہیں بلکہ یہ کسی بھی مذہب کے نمایاں ترین شعائر میں سے ہوتی ہیں۔ پس کسی کافر قوم کی عیدوں میں ان کی موافقت کرنا ان کے کفریہ مذاہب کے امتیازات اور نمایاں شعائر میں موافقت کرنا (اور ایسی موافقت اور

مشابہت سے ہمیں منع کیا گیا ہے جیسا کہ آپ کا فرمان ہے کہ جس نے جس قوم کی مشابہت اختیار کی، وہ انہی میں سے ہوگا)۔

مذہبی آزادی:

اسلامی ریاست غیر مسلموں کی مذہبی آزادی کو یقینی بنائے گی انہیں اپنے مذہبی مراسم اور قومی شعائر کو ادا کرنے کی اجازت ہوگی البتہ اس میں اتنی تفصیل ضروری ہے کہ وہ اپنی بستیوں میں پوری آزادی کے ساتھ پبلک میں اعلان واظہار کے ساتھ ادا کرسکیں گے اور خالص اسلامی آبادیوں میں ادا کرنے کے لیے حکومت سے اجازت لینا ضروری ہوگا۔ حکومت کو اختیار ہے کہ مصالح مسلمین کے لئے وہ کسی ظہار پر پابندی لگائے۔ صاحب بدائع لکھتے ہیں:

﴿لا یمنعون من إظهار شئی مما ذکرنا من بیع الخمر والصلیب وضرب الناقوس فی قریة أو موضع لیس من أمصار المسلمین ولو کان فیه عدد کثیر من أهل الاسلام وإنما یکره ذلک فی أمصار المسلمین وهی التی یقام فیها الجمع والأعیاد والحدود....... وأما اظهار فسق یعتقدون حرمته کالزنا وسائر الفواحش التی حرام فی دینهم فانهم یمنعون من ذلک سواء کانوا فی أمصار المسلمین أو فی أمصارهم﴾.(۱۰۱)

''جو بستیاں امصار مسلمین میں سے نہیں ہیں ان میں ذمیوں کو شراب وخنزیر بیچنے، صلیب نکالنے اور ناقوس بجانے سے نہیں روکا جائے گا۔ خواہ وہاں مسلمانوں کی کتنی ہی کثیر تعداد آباد ہو۔ البتہ یہ افعال امصار و مسلمین میں ناپسندیدہ ہیں یعنی ان شہروں میں جنہیں جمعہ وعیدین اور اقامت حدود کے لئے مخصوص کیا گیا ہو............ رہا وہ فسق جس کی حرمت کے خود وہ بھی قائل ہیں مثلاً زنا اور دوسرے تمام فواحش جو ان کے دین میں حرام ہیں تو اس کے علاوہ ارتکاب سے ان کو ہر حال میں روکا جائے گا خواہ مسلمانوں کے شہروں میں ہوں یا خود اپنے شہروں میں ہوں۔''

عبادت گاہیں:

مسلمان آبادیوں میں غیر مسلموں کے قدیم معابد سے تعرض نہیں کیا جا سکتا۔ اگر ان کی ٹوٹ پھوٹ ہو تو انہیں دوبارہ اسی جگہ پر بنانے کا حق ہے لیکن نئی عبادت گاہیں بنانے کا حق نہیں ہے۔(۱۰۲)

وہ مقامات جو امصار مسلمین نہیں ہیں تو ان میں غیر مسلموں کو نئے معابد بنانے کی بھی عام اجازت ہے۔ اسی طرح وہ مقامات جو امصار مسلمین نہیں رہے یعنی وہاں اقامت جمعہ واعیاد اور اقامت حدود کا سلسلہ بند کر دیا گیا ہو ان میں بھی غیر مسلموں کو نئے معابد کی تعمیر اور اپنے شعائر کے اظہار کا حق ہے۔

امام ابو یوسف نے ابن عباسؓ کی رائے ان الفاظ میں نقل کی ہے:

''إن مصر مصرته العرب فلیس لهم أن یحدثوا فیه بناء بیعة ولا کنیسة ولا یضربوا فیه بنا قوس ولا یظهروا فیه خمراً ولا یتخذوا فیه خنزیراً. وکل مصر کانت العجم مصرته ففتحه الله علی العرب فنزلوا علی حکمهم فللعجم ما فی عهدهم وعلی العرب أن یوفوا

لهم بذلک."(۱۰۳)

''جن شہروں کو مسلمانوں نے آباد کیا ہے ان میں ذمیوں کو یہ حق نہیں ہے کہ نئے معابد و کنائس تعمیر کریں، ناقوس بجائیں یا علانیہ شراب اور سور کا گوشت بیچیں۔ باقی رہے وہ شہر جو عجمیوں کے آباد کئے ہوئے ہیں اور جن کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے ہاتھ پر فتح کیا اور انہوں نے مسلمانوں کے حکم کی اطاعت قبول کرلی تو عجم کے لئے وہی حقوق ہیں جو ان کے معاہدہ میں طے ہو جائیں اور مسلمانوں پر ان کا ادا کرنا لازم ہے۔''

کافر کا مسجد میں داخل ہونا:

شافعیہ، حنابلہ اور امام محمد کا کہنا یہ ہے کہ کافر کسی صورت بھی مسجد حرام میں داخل نہیں ہوسکتا، اگرچہ باقی مساجد میں داخل ہونے کی صورت نکل سکتی ہے۔ ان کی دلیل قرآن کی درج ذیل آیت ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلاَ يَقْرَبُواْ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَـذَا﴾(۱۰۴)۔

مالکیہ کا موقف یہ ہے کہ کافر مسجد حرام کی طرح کسی بھی مسجد میں داخل ہونے کا مجاز نہیں ہے الا یہ کسی ضرورت کے تحت داخل ہو۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ مذکورہ بالا آیت جمیع مساجد اور مشرکین کے بارے عام ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے بھی اپنے گورنروں کو ایک خط کے ذریعے اسی کی تاکید کی تھی کہ کوئی بھی مشرک کسی مسجد میں داخل نہ ہو جبکہ حنفیہ کا موقف یہ ہے کہ کفار اور مشرکین مسجد حرام اور ہر مسجد میں داخل ہوسکتے ہیں (۱۰۵)۔ حنفیہ نے اس آیت کی یہ تاویل کی ہے یہ آیت مشرکین عرب کے ساتھ خاص ہے یا اس آیت میں مشرکین کے مکہ میں حرم مکی میں داخلہ سے مراد حج کے لیے داخل ہونا ہے۔

ایک روایت کے الفاظ ہیں: ''**بعث رسول الله خيلا قبل نجد فجاء ت برجل من بني حنيفة يقال له ثمامة بن أثال، فربطوه بسارية من سواري المسجد** ''(۱۰٦)۔ (اللہ کے رسول نے گھڑ سواروں کا ایک دستہ نجد کی طرف بھیجا تو وہ بنو حنیفہ کے ایک سردار ثمامہ بن اثال کو پکڑ لائے اور صحابہ نے اسے مسجد نبوی کے ستونوں میں سے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا)۔

امام ابن قیم لکھتے ہیں: ﴿**وقد صح عن النبي أنه أنزل وفد نصارى نجران في مسجده وحانت صلاتهم فصلوا فيه وذلک عام الوفود بعد نزول قوله تعالىٰ " انما المشركون نجس فلا يقربوا المسجد الحرام بعد عامهم هذا" فلم تتناول الآية حرم المدينة ولا مسجدها**﴾(۱۰۷)۔ (اللہ کے نبی سے یہ بات صحیح روایت سے ثابت ہے کہ آپ نے نجران کے عیسائیوں کے وفد کو مسجد نبوی میں بطور مہمان ٹھہرایا تھا اور جب ان کی نماز کا وقت آیا تو انہوں نے مسجد ہی میں نماز پڑھی اور یہ اس سال کا واقعہ ہے جب مختلف قبائل کے وفود اسلام قبول کرنے کے لیے حاضر ہوئے تھے اور یہ واقعہ قرآن کی آیت ﴿**انما المشركون نجس فلا يربوا المسجد الحرام بعد عامهم هذا**﴾ کے نزول کے بعد کا ہے۔ پس یہ ثابت ہوا کہ یہ آیت مبارکہ حرم مدنی اور مسجد نبوی کے حکم کو شامل نہیں ہے

لہٰذا حرم مدنی اور مسجد نبوی میں مشرکین کا داخلہ جائز ہے۔اسی طرح اس کے علاوہ مساجد میں ان کا داخلہ بالا ولی جائز ہوگا۔

مفتی اعظم سعودی عرب شیخ بن باز فرماتے ہیں:

''أما المسجد الحرام فلا يجوز دخوله لجميع الكفرة اليهود والنصارى وعباد الأوثان والشيوعين فجميع الكفرة لا يجوز لهم دخول المسجد الحرام لأن الله سبحانه وتعالى يقول: "يأيها الذين آمنوا انما المشركون نجس فلا يقربوا المسجد الحرام بعد عامهم هذا". فمنع سبحانه وتعالىٰ دخولهم المسجد الحرام والمشركون يدخل فيهم اليهود والنصارى عند الاطلاق فلا يجوز دخول أى مشرك المسجدالحرام لا يهودى ولا نصرانى ولا غيرهما بل هذا خاص بالمسلمين. وأما بقية المساجد فلا بأس من دخولهم للحاجة والمصلحة ومن ذلك المدينة وان كانت المدينة لها خصوصية لكنها فى هذه المسالة كغيرهامن المساجد لأن الرسول ربط فيها الكافر فى مسجد النبى وأقر وفد ثقيف حين دخلوا المسجد قبل أن يسلموا وهكذا وفد النصارى دخلوا امسجده عليه الصلاة والسلام فدل ذلك على أنه يجوز دخول المسجد النبوى للمشرك وهكذا بقية المساجد من باب أولى اذا كان لحاجة اما لسؤال أو لحاجة أخرى أو لسماع درس ليستفيد أو ليسلم ويعلن اسلامه أو ما أشبه ذل . والحاصل: أنه يجوز دخوله اذا كان هناك مصلحة أما اذا لم يكن هناك مصلحة فلا حاجة الى دخوله المسجد أو أن يخشى من دخوله العبث فى أثاث المسجد أو النجاسة فيمنع﴾(۱۰۸)۔

''جہاں تک مسجد حرام کا معاملہ ہے تو اس میں کسی بھی کافر کا داخلہ ممنوع ہے' چاہے وہ یہودی ہو یا عیسائی' بت پرست ہو یا کیمونسٹ۔جمیع کفار کے لیے مسجد حرام میں داخلہ آیت مبارکہ'' يأيها الذين آمنوا انما المشركون نجس فلا يقربوا المسجد الحرام بعد عامهم هذا'' کی وجہ سے ممنوع ہے۔اللہ تعالیٰ نے مسجد حرام میں مشرکین کے داخلے کو ممنوع قرار دیا ہے اور اس آیت کے اطلاق کے وقت مشرکین میں یہودی' عیسائی اور ان کے علاوہ کفار بھی داخل ہی ہو جائیں گے۔پس کسی بھی مشرک' یہودی یا عیسائی وغیرہ کے لیے مسجد حرام میں داخلہ ممنوع ہے اور اس میں داخلہ صرف مسلمانوں کے ساتھ خاص ہے۔جہاں تک بقیہ مساجد کا معاملہ ہے تو ان میں سے کسی ضرورت اور مصلحت کے تحت کفار کے داخلے میں کوئی ممانعت نہیں ہے اور ان مساجد میں نبوی بھی شامل ہے۔مسجد نبوی کو اگرچہ دیگر مساجد کی نسبت خصوصی امتیازات حاصل ہیں لیکن اس مسئلے میں اس کا حکم بھی عام مساجد ہی کا ہے کیونکہ اللہ کے رسول نے ایک کافر کو مسجد نبوی میں باندھ کر رکھا تھا۔اسی طرح آپ نے بنوثقیف کے وفد کو بھی اسلام قبول کرنے سے پہلے مسجد نبوی ہی میں ٹھہرایا تھا۔اسی طرح عیسائیوں کا وفد بھی آپ کے پاس مسجد نبوی ہی میں رہا تھا۔یہ تمام واقعات اس بات کی دلیل ہیں کہ مسجد نبوی میں مشرکین کا داخلہ جائز ہے۔اور اس طرح بقیہ مساجد میں بالا ولی جائز ہوگا بشرطیکہ یہ داخلہ کسی ضرورت یا سوال یا حاجت وغیرہ کے لیے ہو یا کسی درس سے استفادہ کے لیے ہو یا اسلام کے قبولیت کا اعلان کرنے کے لیے ہو یا اس قسم کی کسی ضرورت کے تحت ہو۔پس کافر کا مسجد میں

کسی مصلحت کے تحت داخل ہونا جائز ہے لیکن اگر کوئی مصلحت نہ ہو اور اس کے مسجد میں داخل ہونے کی کوئی ضرورت بھی محسوس نہ ہو یا اس کے مسجد میں داخل ہونے سے مسجد کے اثاثہ وغیرہ کا بے کار استعمال ہو رہا ہو تو اس صورت میں اسے مسجد میں داخلے سے منع کر دیا جائے گا۔''

اس مسئلے میں راجح موقف حنابلہ کا معلوم ہوتا ہے جو نصوص قریب تر اور قابل فہم ہے پس کافر کا کسی مسجد میں دعوتی مقاصد یا کسی دینی ضرورت اور مصلحت کے تحت داخلہ ہو تو اس کی اجازت ہے لیکن مسجد کو کفار کے لیے ایک سیر گاہ یا پکنک پوائنٹ بنا دینا بالکل بھی جائز نہیں ہے جیسا کہ شاہ فیصل مسجد' اسلام آباد کا معاملہ ہے۔

عام ملکی قانون:

شخصی معاملات میں انہیں استثناء حاصل ہے لیکن عام ملکی قانون میں ان کی وہی حیثیت ہو گی جو عام مسلمان شہری کی مثلاً وہ فوجداری اور دیوانی قانون میں مسلمانوں کے مساوی حیثیت رکھتے ہیں۔تعزیرات کا قانون مسلم و غیر مسلم کے لئے یکساں ہوگا۔ جرائم کی جو سزا مسلمان کو دی جائے گی وہی غیر مسلم کو دی جائے گی۔ غیر مسلم کا مال مسلمان چرا لے یا مسلمان کا مال غیر مسلم چرا لے دونوں صورتوں میں اسلامی حد نافذ ہو گی۔ غیر مسلم کسی مرد یا عورت پر زنا کی تہمت لگائے یا مسلمان ایسا کرے دونوں صورتوں میں ایک ہی قذف جاری ہو گی۔ اسی طرح زنا کی سزا بھی غیر مسلم اور مسلم کے لیے یکساں ہے البتہ شراب کے معاملہ میں غیر مسلموں کو استثناء حاصل ہے۔(۱۰۹)

آزادی تحریر و تقریر:

غیر مسلموں کو اسلامی ریاست میں تحریر و تقریر اور رائے اور مافی الضمیر کے اظہار کی اور اجتماع کی وہی آزادی حاصل ہو گی جو مسلمانوں کو حاصل ہے۔اس سلسلے میں جو قانونی پابندیاں مسلمانوں کے لئے ہوں گی وہی ان کے لئے بھی ہوں گی۔

۱۔ غیر مسلم قانون کی حدود میں رہتے ہوئے حکومت پر اس کے حکام پر اور خود رئیس مملکت پر آزادانہ تنقید کر سکیں گے۔

۲۔ قانون کی حدود کے اندر غیر مسلموں کو مذہبی بحث و مباحثہ کی ویسی ہی آزادی ہو گی جیسی مسلمانوں کو۔

۳۔ وہ اپنے مذہب کی حقیقت اور اس کی خوبیاں بیان کرنے میں پوری طرح آزاد ہوں گے اگر ایک غیر اسلامی مذہب کا پیرو کسی دوسرے غیر اسلامی مذہب کو قبول کرے تو اسلامی حکومت کو اس پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔اسی طرح ایک غیر مسلم کی تاثیر سے کوئی مسلمان اپنا مذہب چھوڑے گا تو غیر مسلم سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا البتہ مرتد ہونے والے مسلمان کو سزا دی جائے گی کیونکہ اسلامی ریاست کی حدود میں کسی مسلمان کو اپنا دین بدلنے کی اجازت نہیں۔

۴۔ کسی غیر مسلم کو اپنے ضمیر کے خلاف کوئی عقیدہ یا عمل اختیار کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا اور اپنے ضمیر کے مطابق وہ ایسے سب کام کر سکیں گے جو ملکی قانون سے متصادم نہ ہوتے ہوں۔(۱۱۰)

ملازمتیں:

ذمی چند مخصوص مناصب کے سوا وہ تمام ملازمتوں میں داخل ہونے کے حق دار ہوں گے اور اس معاملے میں ان کے ساتھ کوئی تعصب نہیں برتا جائے گا۔ مسلمان اور غیر مسلم دونوں کے لئے اہلیت کا ایک ہی معیار ہوگا اور اہل آدمیوں کا بلا امتیاز انتخاب کیا جائے گا۔(۱۱۱)

اسلامی ریاست چونکہ ایک نظریاتی ریاست ہے اس لئے ایسے تمام مناصب جو اس ریاستی نظام میں کلیدی حیثیت رکھتے ہیں اور پالیسی سازی کی تنفیذ میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں ان پر کوئی غیر مسلم متعین نہیں ہوگا۔ مثلاً وہ رئیس مملکت نہیں بن سکیں گے کیونکہ رئیس مملکت نے اصول اسلام کے مطابق ریاست کا نظام چلانا ہے۔ لہذا جو شخص اس اصول پر ایمان ہی نہیں رکھتا وہ سلطنت کا نظام کیسے چلائے گا۔(۱۱۲)

اسلامی ریاست لادین جمہوریتوں اور سیکولر ریاستوں کی طرح فریب کاری نہیں کرتی کہ اعلان تو مساوی مواقع کا ہو لیکن عملاً اقلیت کے کسی آدمی کو اپنے مذہب کے مطابق پالیسی سازی اور پالیسی کی تنفیذ کے منصب پر فائز ہونا ممکن نہیں۔ ہاں دکھاوے کے لئے ایسے آدمی کو آگے لایا جاسکتا ہے جو اپنے مذہب سے منحرف اور اکثریت کی پالیسی کا حامی ہو۔ اسلامی ریاست ایسی منافقانہ پالیسی سے انکار کرتی ہے اور اپنے واضح مؤقف کا اعلان کرتی ہے۔ اسی طرح داخلی استحکام خارجہ تعلقات، نظام تعلیم اور نفاذ شریعت جیسے امور کی سربراہی صرف مسلمان کر سکتے ہیں۔ ان کے علاوہ تمام بڑے انتظامی مناصب پر غیر مسلم فائز ہو سکتے ہیں۔ مثلاً کوئی چیز انہیں اکاؤنٹنٹ جنرل، چیف انجینئر یا پوسٹ ماسٹر جنرل بنائے جانے میں مانع نہیں۔(۱۱۳)

پارلیمنٹ:

کسی غیر مسلم کے لئے وزیر، سپہ سالار، قاضی بننا ممنوع ہے کیونکہ پالیسی کے نفاذ کے ذرائع میں اصولی طور پر تو اسلامی ریاست کی پارلیمنٹ میں غیر مسلم شریک نہیں ہو سکتے۔ لیکن موجودہ زمانے کے حالات میں اس کے لئے گنجائش نکالی جاسکتی ہے بشرطیکہ ملک میں اس بات کی واضح اور صریح ضمانت موجود ہو کہ:

الف: پارلیمنٹ قرآن وسنت کے خلاف کوئی قانون سازی کرنے کی مجاز نہ ہوگی اور ہر فیصلہ جو اس حد سے متجاوز ہوگا قانونی سند حاصل کرنے سے محروم ہوگا۔

ب: ملک کے قانون کا اولین ماخذ قرآن وسنت ہوں گے۔

ج: قوانین کی آخری توثیق کا اختیار جس شخص کو حاصل ہوگا وہ لازماً مسلمان ہوگا۔(۱۱۴)

روزگار اور کفاف کا ذمہ:

غیر مسلموں کے بے روزگاروں کے لئے روزگار مہیا کرنے کا اور ان کے معذوروں اور ان کے متعلقین کے لئے بیت

المال سے ان کی ضرورت کے مطابق وظیفہ کا ذمہ لیا جا سکتا ہے۔(۱۱۵)

غیر مسلم سے جزیہ وصول کرنا:

اگر کسی جگہ صحیح معنوں میں اسلامی ریاست قائم ہوگی تو وہ اپنی حدود میں رہنے والے غیر مسلموں سے ان کے جان مال کی امان کے بدلے جزیہ وصول کرے گی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَاتِلُواْ الَّذِيْنَ لاَ يُؤْمِنُونَ بِاللّهِ وَلاَ بِالْيَوْمِ الآخِرِ وَلاَ يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللّهُ وَرَسُولُهُ وَلاَ يَدِيْنُونَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ أُوتُواْ الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُواْ الْجِزْيَةَ عَن يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ﴾(۱۱۶)

''اور تم لڑائی کرو اہل کتاب میں ان لوگوں سے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور نہ ہی اس کو حرام قرار دیتے ہیں جسے اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہو اور نہ ہی دین حق کو اختیار کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں اور وہ نیچے ہو کر رہنے والے ہوں۔''

پس اہل علم کا اہل کتاب اور مجوسیوں کے بارے اتفاق ہے کہ ان سے جزیہ وصول کیا جائے گا البتہ مشرکین اور بت پرستوں کے بارے اختلاف ہے۔ جمہور علماء نے اہل کتاب سے یہود و نصاریٰ اور ان کے جمیع فرق مراد لیے ہیں جبکہ حنفیہ کے نزدیک اہل کتاب سے مراد ہر وہ قوم ہے جو کسی نبی یا کتاب پر ایمان لاتی ہو لیکن ساتھ ہی کافر بھی ہو(۱۱۷)۔

جمہور شوافع، حنابلہ کے راجح موقف اور بعض مالکیہ کے نزدیک عرب و عجم کے مشرکین سے جزیہ وصول نہیں کیا جائے گا بلکہ ان کے سامنے دو آپشنز رکھی جائیں گی: یا تو وہ اسلام قبول کر لیں یا پھر قتل ہونے کے لیے تیار ہو جائیں(۱۱۸)۔ اس موقف کے مطابق دہریہ اور سیکولر بھی مشرکین کے حکم میں ہوں گے۔ ان اہل علم کا کہنا یہ ہے کہ قرآن نے صرف اہل کتاب سے جزیہ وصول کرنے کا حکم دیا ہے اور اللہ کے رسول نے ان کے ساتھ مجوسیوں کو بھی ملا دیا تھا جبکہ مشرکین کے بارے میں قرآن کا حکم یہ ہے کہ ان سے اس وقت تک قتال کرو جب تک کہ فتنہ ختم نہ ہو جائے اور فتنے سے مراد شرک ہے۔ اسی طرح قرآن نے حکم دیا ہے: ﴿فَاقْتُلُواْ الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدتُّمُوهُمْ﴾(۱۱۹)۔(پس تم قتل کرو مشرکین کو جہاں بھی تم ان کو پاؤ)۔

ان اہل علم نے اللہ کے رسول کی درج ذیل روایت کو بھی بطور دلیل بیان کیا ہے: ''أمرت أن أقاتل الناس حتى يشهدوا أن لا اله الا الله وأن محمدا رسول الله ويقيموا الصلاة ويؤتوا الزكوٰة''(۱۲۰)۔(مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے قتال کروں یہاں تک کہ وہ کلمہ شہادت کی گواہی دیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں)۔

اس کے برعکس حنفیہ، بعض مالکیہ اور ایک روایت کے مطابق امام احمد اور ایک روایت کے مطابق امام مالک کا بھی یہی موقف ہے کہ قرآن میں جن مشرکین سے قتال کا حکم ہے وہ عرب کے مشرکین ہیں لہٰذا عجمی مشرکین سے جزیہ لیا جا سکتا ہے(۱۲۱)۔

یہ روایت 'مرسل' ہے۔اس میں صحابی گرا ہوا ہے اور تابعی براہ راست اللہ کے رسول سے نقل کر رہے ہیں۔لہٰذا یہ روایت ان فقہاء کے نزدیک دلیل ہے جو مرسل روایت سے حجت پکڑنے کے قائل ہیں۔

اس بارے تیسرا موقف یہ ہے کہ ہر کافر اور مشرک سے جزیہ قبول کیا جائے گا۔چاہے وہ عرب ہو یا نہ ہو، اہل کتاب میں سے ہو یا نہ ہو۔یہ موقف مالکیہ کے ہاں راجح موقف شمار ہوتا ہے۔امام اوزاعی اور ایک روایت کے مطابق امام مالک کا بھی یہی موقف تھا۔ان فقہاء نے درج ذیل روایت کو بطور دلیل نقل کیا ہے:

''كان رسول الله اذا أمر أميرا على جيش أو سرية أو صاه في خاصته بتقوى الله ومن معه من المسلمين خيرا ثم ال: اغزوا باسم الله في سبيل الله قاتلوا من كفر بالله اغزوا ولا تغلوا ولا تغدروا ولا تمثلوا ولا تقتلوا وليدا واذا لقيت عدوك من المشركين فادعهم الى احدى ثلاث خصال أو خلال فأيتهم ما أجابوك اليها فاقبل منهم دارهم الى دار المهاجرين وأخبرهم أنهم ان فعلوا فلهم ما للمها جرين وعليهم ما على المهاجرين فان أبوا أن يتحولوا منها فاخبرهم أنهم يكونون كاعراب المسلمين يجرى عليهم حكم الله الذى يجرى على المومنين ولا يكون لهم فى الغنيمة والفى شى ء الا أن يجاهدوا مع المسلمين فان هم أبوا فسلهم الجزية فان هم أجابوك فاقبل منهم وكف عنهم فان هم أبوا فاستعن بالله وقاتلهم﴾(۱۲۲)

''اللہ کے رسول جس کسی صحابی کو کسی لشکر یا سریے کا امیر بناتے تو اس کو اور اس کے ساتھ کے سپاہیوں کو خاص طور پر اللہ کے تقوی اور بھلائی کی نصیحت کرتے تھے۔اس کے بعد فرماتے: اللہ کے رستے میں اللہ کے نام سے آغاز کرو اور جو بھی اللہ کا انکار کرے اس سے قتال کرو۔تم لڑائی کرو لیکن اس میں حد سے نہ بڑھو اور نہ ہی معاہدہ کی خلاف ورزی کرو اور نہ ہی لاشوں کا مثلہ کرو اور نہ ہی چھوٹے بچوں کو قتل کرو۔اور جب تم مشرکین میں سے اپنے کسی دشمن سے ملو تو انہیں تین میں ایک چیز کی طرف دعوت دو۔پس ان تین میں سے وہ جس کو بھی مان لیں، اس کو قبول کر لو اور ان سے اپنے ہاتھ روک لو۔پس تم انہیں اسلام کی دعوت دو، اگر تو وہ مان لیں تو اسے قبول کر لو اور ان سے اپنے ہاتھ روک لو اور پھر انہیں اپنے گھر سے دار ہجرت یعنی مدینہ منتقل ہونے کی دعوت دو۔اور انہیں یہ بھی واضح کر دو کہ اگر انہوں نے یہ سب کچھ کر لیا تو ان کے لیے وہی کچھ ہے جو مہاجرین کے لیے ہے اور ان کے پروہ ذمہ داریاں بھی عائد ہوں گی جو مہاجرین پر عائد ہوتی ہیں۔پس اگر وہ دار ہجرت میں منتقل ہونے سے انکار کر دیں تو انہیں یہ بتلا دو کہ ان کا معاملہ بدو مسلمانوں کا سا ہوگا اور ان پر اللہ کا وہی حکم جاری ہوگا جو اہل ایمان پر جاری ہوتا ہے۔اور ان کے لیے مال غنیمت اور مال فے میں سے اس وقت تک کوئی حصہ نہ ہوگا جب تک کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں شریک نہیں ہوتے۔پس اگر وہ اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیں تو ان سے جزیہ طلب کرو۔اگر وہ اس کو مان لیں تو اسے ان سے قبول کر لو اور ان سے اپنا ہاتھ روک لو۔پس اگر وہ جزیہ دینے سے بھی انکار کر دیں تو اللہ سے مدد مانگو اور ان سے قتال کرو۔''

اس قول کے مطابق ' فاقتلوا المشرکین ' سے مراد جمیع اہل عرب نہیں بلکہ اہل مکہ اور آپ کی قوم کے لوگ مراد ہوں جن کی طرف آپ خاص طور پر مبعوث کیے گئے تھے۔

غیر مسلم بچوں کا حکم:

دنیا میں والدین میں سے دونوں یا ایک کی وفات سے بچے مسلمان نہیں ہو جاتا کیونکہ اس کی کوئی شرعی دلیل نہیں ہے۔ یہ موقف امام مالک، شافعی، ابو حنیفہ اور ایک روایت کے مطابق امام احمد کا ہے۔ دوسرے قول کے مطابق دار الحرب ہو یا دار الاسلام، والدین میں سے دونوں یا ایک کی وفات سے بچہ مسلمان ہو جاتا ہے۔ یہ قول بعض حنابلہ کا ہے۔ تیسرے قول کے مطابق دار الاسلام میں والدین میں سے دونوں یا ایک کی وفات سے بچہ مسلمان ہو جاتا ہے اور یہ قول امام احمد بن حنبل سے ثابت ہے اور حنابلہ کا معروف مذہب بھی یہی ہے۔ اس کی دلیل ان کے نزدیک درج ذیل روایت ہے:

"كل مولود يولد على الفطرة فأبواه يهودانه وينصرانه ويمجسانه " (۱۲۳)

''ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے، پس اس کے والدین اسے یہودی یا عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔''

خلاصہ بحث:

آج جبکہ انسانیت اپنی ارتقائی منازل طے کرتے کرتے اوج ثریا تک پہنچنے کی دعویدار ہے۔ اور تہذیب نو کے معماران اس بات پر فخر کرتے نہیں تھکتے کہ ہم نے دنیا کو نئی روشنی سے آشنا کیا ہے۔ اور خیالات کی گھٹن سے نکال کر روشن خیالی کی راہ پر ڈالنے کا کارنامہ انجام دیا ہے۔ تہذیب نو کی چمک سے متاثر ہونے والے جہان نو میں ہونے والے مظالم کی داستانوں سے لرزہ براندام ہونے کی بجائے الٹا مظلوموں کو ہی قصوروار ٹھہرا رہے ہیں۔

یہ تہذیبی تصادم کا دور ہے۔ مادی ترقی میں عروج کی وجہ سے مغربی تہذیب اپنے آپ کو غالب تصور کرتے ہوئے خاص طور پر مسلم تہذیب کو نشانہ بنا رہی ہے۔

محسن انسانیت ﷺ نے نسلی، قبائلی اور لسانی تعصبات کو یکسر ختم کر کے بنی نوع انسان کو ایک باپ کی اولاد قرار دیا اور تمام قسم کی تفریق کو مٹا دیا حقوق انسانی کا وہ چارٹر دیا جس کی مثال رہتی دنیا تک نہیں مل سکتی۔

چنگیز خان اور ہلاکو خان کے مظالم کو دیکھا جائے یا ہٹلر کی سفاکی کی داستانیں ہوں یہ سب انسانیت کی تذلیل تمام حدیں پار کر گئی۔ دنیا دو عالمگیر جنگوں کا سامنا کر چکی ہے اور اربوں انسان لقمہ اجل بن چکے ہیں۔

سفید فام لوگوں کے نسلی تعصب کے خلاف نیلسن منڈیلا کامیاب تحریک چلا چکے اقوام متحدہ میں دنیا کے نام نہاد انصاف پسند قوانین بھی پاس کر چکے۔ مگر اس دنیا میں تعصب کی فضا نہ چھٹ سکی آج بھی مذہبی اور تہذیبی تعصب غالب نظر آتا ہے۔ اور اس تعصب ہی کی وجہ سے مسلم دنیا زیر عتاب ہے۔ مسلم دنیا کے وسائل پر للچائی ہوئی نظروں سے دیکھنے والوں کی سامراجی

طاقتوں میں ساز باز کر کے تقسیم کرو اور حکومت کرو کی پالیسی اپنائے ہوئے بھوکے اژدھے کی طرح آہستہ آہستہ ہڑپ کرنے کی تگ و دو جاری ہے۔ مظلوموں کو بنیاد پرست، دہشت گرد اور انتہا پسند کا نام دے کر آتش و آہن کی بارش برساتے ہوئے ظلم و جبر کی داستانیں رقم کر رہے ہیں۔ ظلمت کے اس دور میں غیر مسلموں کے بارے میں اسوہ رسول ﷺ سے رہنمائی لیتے ہوئے اس مضمون میں اسلامی ریاست میں اقلیتوں کے حقوق بیان کئے گئے ہیں۔ خلفاء راشدین اور خود آنحضور ﷺ کے دور میں اقلیتوں کے کیا حقوق تھے اور ان کو اسلامی ریاست نے کس طرح تحفظ فراہم کیا۔ اس کا ذکر ہے۔

دور جاہلیت میں جنگ، لوٹ مار، قتل و غارت گری، ظلم و زیادتی، انتقام و تشدد، کمزوروں کو کچلنے، آبادیاں ویران کرنے اور عمارتیں ڈھانے، عورتوں کی بے حرمتی کرنے، بوڑھوں، بچوں اور بچیوں کے ساتھ سنگدلی سے پیش آنے، کھیتی باڑی تباہ و برباد کرنے، جانوروں کو ہلاک کرنے اور زمین میں تباہی و فساد مچانے کا نام تھی۔

عہد نبوی ﷺ میں کبھی محض دین کی بنا پر غیر مسلموں کے ساتھ کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا جاتا تھا اس کی مثال یہ ہے کہ ۲ھ میں جب مسلمانوں کو غزوۂ بدر میں فتح ہوئی تو مکہ والوں نے ایک وفد دوبارہ حبشہ بھیجا اور چاہا کہ وہاں کے جو مسلمان مہاجرین متمکن ہیں ان کو نئے نجاشی سے کس طرح واپس حاصل کرلیں اور ان کو تکالیف دیں اس کی اطلاع جب آنحضور ﷺ کو ملی تو تاریخ کے اوراق یہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عمر بن امیہ کو اپنا سفیر بنا کر نجاشی کے پاس بھیجا تاکہ وہ مسلمانوں کی سفارش کرے اور ان کی حفاظت کے لیے حکمرانوں کو آمادہ کرے۔ حالانکہ عمر بن امیہ ضمری اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے اور اسی طرح آپ ﷺ کے قرب و جوار میں یہودی بھی آباد تھے اور ان کے ساتھ آپ کا رویہ بہت اچھا اور بے مثال تھا۔

اسلامی ریاست و اسلامی معاشرہ میں غیر مسلموں کے جن حقوق کا تحفظ کیا جاتا ہے وہ جان کی حفاظت، عزت کی حفاظت، مال کی حفاظت، معاشی حقوق کا تحفظ، شخصی معاملات، مذہبی آزادی وغیرہ ہیں۔

اسلامی ریاست غیر مسلموں کی مذہبی آزادی کو یقینی بناتی ہے انہیں اپنے مذہبی مراسم اور قومی شعائر کو ادا کرنے کی اجازت دیتی ہے البتہ اس میں اتنی تفصیل ضروری ہے کہ وہ اپنی بستیوں میں پوری آزادی کے ساتھ پبلک میں اعلان و اظہار کے ساتھ ادا کرسکیں گے اور خالص اسلامی آبادیوں میں ادا کرنے کے لیے حکومت سے اجازت لینا ضروری ہوگا۔ حکومت کو اختیار ہے کہ مصالح مسلمین کے لئے وہ کسی تشہیر پر پابندی لگائے۔

حوالہ جات

۱۔ البقرہ:(۲)۲۵۶۔ ۲۔ البقرہ:(۲)۱۷۹۔

۳۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح (دار السلام، الریاض، ۱۹۹۹) ص:۱۰۹۱، رقم الحدیث:۶۲۶۷۔

۴۔ مسلم بن حجاج قشیری، الصحیح (دار السلام، الریاض، ۲۰۰۰ء) ص:۱۱۲۹، رقم الحدیث:۲۵۸۱۔

۵۔ مسلم بن حجاج، الصحیح، ص:۱۱۳۰، رقم الحدیث:۲۵۸۲۔

۶۔ مسلم بن حجاج، الصحیح، ص:۱۱۲۹، رقم الحدیث:۶۵۷۵۔

۷۔ ابن الاثیر، علی بن محمد بن محمد، الکامل فی التاریخ (دار الکتاب العربی، بیروت ۲۰۰۶ء) ۱/۵۲۲۔

۸۔ ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ ۱/۵۰۹، ۵۲۲۔

۹۔ ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، السنن (دار السلام الریاض ۱۹۹۹) ص:۳۸۲، رقم الحدیث:۲۶۴۹۔

۱۰۔ ابن ہشام، عبد الملک، السیرۃ النبویۃ، (المکتبۃ التجاریۃ الکبری، مصر ۱۳۵۶ھ/۱۹۳۷ء) ۳/۱۲۶ تا ۱۳۲۔

۱۱۔ منصور پوری، محمد سلیمان سلمان، رحمۃ للعالمین (مکتبہ اسلامیہ، لاہور، جون ۲۰۰۶ء) ۱/۱۱۷۔

۱۲۔ المائدہ:(۵)۴۷۔ ۱۳۔ منصور پوری، رحمۃ للعالمین، ۱/۱۵۴۔

۱۴۔ مبارکپوری، صفی الرحمن، الرحیق المختوم (المکتبۃ السلفیہ، لاہور، ۱۹۹۷ء) ص۳۱۳

۱۵۔ ابن عبد الوہاب، مختصر سیرۃ الرسول (المطبعۃ العربیۃ لاہور ۱۹۷۹ء) ص۲۱۸

۱۶۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ۲/۲۱۷۔ ۱۷۔ ابن عبد الوہاب، مختصر سیرۃ الرسول ص۲۱۶۔

۱۸۔ ایضاً۔ ۱۹۔ بخاری، الجامع الصحیح ص:۴۹۷، رقم الحدیث:۳۰۰۸۔

۲۰۔ ابن عبد الوہاب، مختصر سیرۃ الرسول ص۲۱۶۔ ۲۱۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ۳/۱۸۶۔

۲۲۔ ابوداؤد، السنن، ص:۳۹۱، رقم الحدیث:۲۶۹۷۔ ۲۳۔ ایضاً، ۲۳۲۱۔

۲۴۔ بخاری، الجامع الصحیح ص:۸۰، رقم الحدیث:۴۶۲۔ ۲۵۔ مسلم، الصحیح ص:۸۱۱، رقم الحدیث:۴۶۷۹۔

۲۶۔ احمد بن حنبل، المسند، (دار المعارف، مصر، ۱۳۶۸ھ/۱۹۴۹ء) ۱/۷۹۔

۲۷۔ بخاری، الجامع الصحیح ص:۱۲۳۸، رقم الحدیث:۷۱۸۹۔ ۲۸۔ ابوداؤد، السنن، ص:۵۱۹، رقم الحدیث:۳۶۱۲۔

۲۹۔ بیہقی، احمد بن حسین، ابوبکر، السنن الکبریٰ (دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۱۰ء)، ۸/۵۶، رقم الحدیث:۱۵۹۱۸۔

۳۰۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۳/۵۳۲، رقم الحدیث:۶۵۷۵۔

۳۱۔ احمد بن حنبل، المسند (عالم الکتب، بیروت، ۱۹۹۸ء) رقم الحدیث:۱۶۷۰۷۔

۳۲۔ ترمذی، محمد بن عیسیٰ، ابوعیسیٰ، السنن (دار السلام، الریاض، ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء) ص:۳۴۰، رقم الحدیث:۱۴۰۳۔

۳۳۔ دارقطنی، علی بن عمر بن احمد، السنن، (المطبع الانصاری، دہلی ۱۳۱۰ھ) ۳۴۳۔

۳۴۔ بخاری، الجامع الصحیح ص:۱۱۹۱، رقم الحدیث:۶۹۱۵۔ ۳۵۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۸:۱۸۰، رقم الحدیث:۱۶۳۵۵۔

۳۶۔ طہ عبد الرؤف سعد، احکام اہل الذمۃ (دار ابن حزم، بیروت ۱۹۹۷ء) ۲/ ۸۷۳۔

۳۷۔ زیلعی، جمال الدین عبداللہ الحنفی، نصب الرایۃ فی تخریج احادیث الہدایۃ (دارالحدیث، قاہرہ) ۳۳۷/۴۔

۳۸۔ ابن عابدین، محمد امین بن عمر بن عبداللہ، رد المحتار علی الدر المختار المعروف بحاشیہ ابن عابدین (داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۹۸ء) ۲۱۰/۶۔

۳۹۔ ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم بن حبیب، کتاب الخراج (دار المعرفۃ، بیروت، لبنان) ص: ۱۶، ۱۷۔

۴۰۔ آل عمران: (۳) ۷۵۔

۴۱۔ ابو یوسف، کتاب الخراج، ص: ۷۲۔

۴۲۔ قرطبی، محمد بن احمد، الجامع لاحکام القرآن (داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۸۵) ۱/۱۷۳، ۱۷۸۔

۴۳۔ البقرۃ: (۲) ۲۲۱۔

۴۴۔ البقرۃ: (۲) ۲۲۱۔

۴۵۔ المائدہ: (۵) ۵۔

۴۶۔ طبری، محمد بن جریر، جامع البیان (دار المعرفۃ بیروت، ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء) ۳۶۶/۴۔

۴۷۔ ایضاً، ۳۶۷/۴۔

۴۸۔ ابن قدامہ، عبداللہ بن احمد بن محمد المقدسی، المغنی (القاہرہ، مصر، الطبعۃ الثانیۃ ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۲ء) ۵۴۵/۹۔

۴۹۔ بخاری، الجامع الصحیح، ص: ۹۴۴، رقم الحدیث: ۵۲۸۵۔

۵۰۔ طبری، جامع البیان، ۳۶۶/۴۔

۵۱۔ ابن منذر، محمد بن ابراہیم، موسوعۃ الاجماع (دار المسلم) ۱۰۵۷/۴۔

۵۲۔ المائدہ: (۵) ۵۔

۵۳۔ ابن کثیر، عماد الدین اسماعیل، ابو الفداء، تفسیر القرآن العظیم (مطبع مصطفیٰ محمد بصری، ۱۳۵۶ھ) ۱۹/۲۔

۵۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲۱۰/۳، ۲۷۰۔

۵۵۔ علی بن نایف، الخلاصہ فی أحکام أھل الذمۃ (المکتبۃ الشاملہ) ۲۳۷/۲۔

۵۶۔ بخاری، الجامع الصحیح، ص: ۷۲۰، رقم الحدیث: ۴۲۴۹۔

۵۷۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ۱۹۴/۴۔

۵۸۔ النساء: (۴) ۸۶۔

۵۹۔ الزخرف: (۴۳) ۸۹۔

۶۰۔ بخاری، الجامع الصحیح، ص: ۱۰۸۹، رقم الحدیث: ۶۲۵۷۔

۶۱۔ علی بن نایف، الخلاصۃ فی أحکام أھل الذمۃ: ۲۰۰/۲۔

۶۲۔ ایضاً۔

۶۳۔ الممتحنۃ (۶۰) ۸۔

۶۴۔ بخاری، الجامع الصحیح، ص: ۹۷۶، رقم الحدیث: ۵۴۷۸۔

۶۵۔ ابوداؤد، السنن، ص: ۵۴۷، رقم الحدیث: ۳۸۳۹۔

۶۶۔ ابوداؤد، السنن، ص: ۵۴۶، رقم الحدیث: ۳۸۳۸۔

۶۷۔ ابن قدامہ، المغنی، ۱۱۱/۱، ۱۱۲۔

۶۸۔ ترمذی، السنن، ص: ۳۸۳، رقم الحدیث: ۱۵۷۶۔

۶۹۔ احمد، المسند، ۱۰۷/۲۔

۷۰۔ بخاری، الجامع الصحیح، ص: ۲۴۱، رقم الحدیث: ۴۸۱۔

۷۱۔ بخاری، الجامع الصحیح، ص: ۴۲۳، رقم الحدیث: ۲۶۱۵۔

۷۲۔ المائدہ (۵) ۵۔

۷۳۔ یٰس: (۳۶) ۴۷۔

۷۴۔ ابن قدامہ، المغنی، ۱۱۱/۱، ۱۱۲۔

۷۵۔ ابن منذر، الاجماع: ص ۴۷۔

۷۶۔ ترمذی، السنن، ص: ۱۶۱، رقم الحدیث: ۶۲۵۔

۷۷۔ علی بن نایف، الخلاصہ فی احکام أھل الذمۃ، ۵۳/۲۔

۷۸۔ الدھر: ۸۔

۷۹۔ بخاری، الجامع الصحیح، ص: ۳۸۰، رقم الحدیث: ۲۳۶۳۔

۸۰۔ علی بن نایف، الخلاصہ فی احکام اُھل الذمۃ ۲/۵۳،۵۴۔ ۸۱۔ ابوداؤد، السنن، ص: ۴۲۳، رقم الحدیث: ۲۹۰۹۔
۸۲۔ الاحزاب: (۳۳) ٦۔
۸۳۔ علی بن نایف، الخلاصہ فی احکام اھل الذمۃ: ۱/۶۰۸۔۶۰۹۔ ۸۴۔ احمد بن حنبل، المسند ۳/۲۶۸،۱۵۴۔
۸۵۔ بخاری، الجامع الصحیح ص: ۲۱۷، رقم الحدیث: ۱۳۵٦۔
۸٦۔ صنعانی، عبدالرزاق، المصنف، (داراحیاء التراث العربی، بیروت ۲۰۰۲) ۳۵/٦۔
۸۷۔ ایضاً، ۳٦/٦۔
۸۸۔ مرغینانی، علی بن ابوبکر، برہان الدین، ابوالحسن، ہدایہ (کتب خانہ رشیدیہ، دہلی ۱۳۵۸ھ) ۴۷۲/۴
۸۹۔ ابن عابدین، ردالمحتار علی درالمختار (المطبعۃ العثمانیہ، مصر ۱۳۲۷ھ)، ۳۴۱/۵۔
۹۰۔ التوبۃ (۹) ۱۱۳۔ ۹۱۔ ابو یوسف، کتاب الخراج، ص ۲۱٦۔
۹۲۔ ایضاً ص ۲۱۷۔ ۹۳۔ بخاری، الجامع الصحیح ص: ۵۹۹، رقم الحدیث: ۳۵۷۱۔
۹۴۔ بخاری، الجامع الصحیح ص: ۳۸، رقم الحدیث: ۱۹۳۔ ۹۵۔ ابن حجر، احمد بن علی، فتح الباری (دارالمعارف، بیروت) ۲۹۹/۱۔
۹٦۔ علی بن نایف، الخلاصہ فی احکام اھل الذمۃ ۲/ ۲۰۰، ۲۰۱۔ ۹۷۔ الفرقان (۲۵) ۷۲۔
۹۸۔ ابوداؤد، السنن، ص: ۵۰۷، رقم الحدیث: ۱۱۳۴۔ ۹۹۔ بیہقی، السنن، ۳۹۲/۹، رقم الحدیث: ۸۸٦۲۔
۱۰۰۔ ابن تیمیہ، احمد بن عبدالحلیم، اقتضاء الصراط المستقیم (دار عالم الکتب، بیروت) ص: ۸۲۸۔
۱۰۱۔ کاسانی علاؤالدین، ابوبکر، بدائع الصنائع (مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور ۱۹۹۳ء) ۳۳۴/۷۔
۱۰۲۔ قاضی ابو یوسف، کتاب الخراج، ۱۳٦۔ ۱۰۳۔ ابن قدامہ، المغنی، ۲٦۰/۱۳۔
۱۰۴۔ التوبۃ (۹) ۲۸۔ ۱۰۵۔ علی بن نایف، الخلاصۃ فی احکام اھل الذمۃ، ۲۰۰/۲۔
۱۰٦۔ بخاری، الجامع الصحیح ص: ۸۱، رقم الحدیث: ۴٦۹۔ ۱۰۷۔ طہ عبدالرؤف سعد، احکام اھل الذمۃ، ۹۷/۱۔
۱۰۸۔ فتاوی نور علی الدرب (الرئاسۃ العامۃ للبحوث العلمیۃ والفتاء، الریاض) ص: ۳۸۰۔
۱۰۹۔ قاضی ابو یوسف، کتاب الخراج ص ۲۰۸، ۲۰۹۔
۱۱۰۔ اصلاحی، مولانا امین احسن، اسلامی ریاست (فاران فاؤنڈیشن لاہور) ص: ۲۴۱۔
۱۱۱۔ ایضاً ص ۲۴۱۔ ۱۱۲۔ ایضاً ص ۲۴۲۔
۱۱۳۔ ایضاً ص ۲٦۷۔ ۱۱۴۔ ایضاً ص ۳۲۳۔
۱۱۵۔ ایضاً ص: ۲۴۲۔ ۱۱٦۔ التوبۃ (۹) ۲۹۔
۱۱۷۔ علی بن نایف، الخلاصۃ فی احکام اھل الذمۃ، ۳۴٦۔ ۱۱۸۔ ایضاً۔
۱۱۹۔ التوبۃ (۹) ۵۔ ۱۲۰۔ بخاری، الجامع الصحیح ص: ۷، رقم الحدیث: ۲۵۔
۱۲۱۔ علی بن نایف، الخلاصۃ فی اُحکام اُھل الذمۃ: ۳۵۳۔ ۱۲۲۔ مسلم، الجامع الصحیح ص: ٦۸۷، رقم الحدیث: ۴۵۲۲۔
۱۲۳۔ بخاری، الجامع الصحیح ص: ۲۲۲، رقم الحدیث: ۱۳۸۵۔